أجوبة أهل الأصول في أسئلة فيض الرسول

بقلم: فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی محمد ابو بکر صدیق قادری شاذلی

الْحَمْدُ للهِ رَبِّ العَالَمِيَنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلى سَيِّدِ الْمرسَلِين، أَمّا بعدُ: فأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيْم.

صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اپنی شُہرۂ آفاق تصنیف "بہارِ شریعت" میں لکھتے ہیں کہ: "مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین سے ہے" (بہارِ شریعت، ج۱، ح۱، ص۱۸۵)، یعنی جس شخص کا اسلام یا کفر بداہۃً ثابت ہو، اور اُس کے خلاف کوئی دلیل بھی موجود نہ ہو، تو ایسا شخص اگر مسلمان ہے تو اُس کو مسلمان جاننا، اور اگر کافر ہے تو اُس کو کافر جاننا ضروریاتِ دین سے ہے، اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے اسلام یا کسی کافر کے کُفر کو بداہۃً جانتے ہوئے بھی اُس کے اسلام یا کُفر میں شک کرے، وہ شخص خود دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا؛ کیونکہ اس کا یہ طرزِ عمل ضروریاتِ دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔

زیرِ نظر رسالہ دراصل معروف عالمِ دین اور ماہر علومِ عقلیہ جناب مولانا فیض الرسول صاحب کے اُن سوالات اور شبہات پر مبنی ہے جو اُنہوں نے ضروریاتِ دین کی تعریف سے متعلق کئے ہیں، مولانا موصوف کے تمام تر سوالات اور شبہات کا محوَر صرف اسی ایک نکتہ پر مبنی ہے، جسے سمجھنے میں اُن سے چوک ہوئی ہے، مولانا موصوف کا موقف یہ ہے کہ: "کسی معیّن شخص کا اسلام یا کفر ہر گز ضرورتِ دینی نہیں ہے؛ کیونکہ معیّن شخص کا اسلام یا کُفر اسی صورت میں ضرورتِ دینی ہو سکتا ہے جب اُس کا اسلام یا کفر قرآن، یا حدیثِ متواتر، یا اِجماعِ قطعی قطعي الدلالة واضحة الإفادة سے ثابت ہو، ورنہ ہر گز ضرورتِ دینی نہیں ہو سکتا"۔

مولانا موصوف کا یہ موقف اور خیالات سراسر باطِل وفاسد ہیں؛ کیونکہ اگر اسے درست مان لیا جائے تو آپ اپنی آنکھوں کے سامنے کُفر بکنے والے کو بھی کافر نہیں کہہ سکیں گے؛ کیونکہ اس کافر کا کفر

قرآن، حدیثِ متواتر، اِجماعِ قطعی قطعي الدلالة واضحة الإفادة سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو بلاتاویل وبلاوجہِ شرعی کافر کہہ دے، تو اس کے ایمان میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا؛ کیونکہ اس شخص کا مسلمان ہونا قرآن، حدیثِ متواتر، اِجماعِ قطعی قطعي الدلالة واضحة الإفادة سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا مولانا موصوف کے نزدیک کسی مسلمان کو مسلمان جاننا اور کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین سے نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں مولانا موصوف نے اعتراضات وشبہات کی صورت میں متعدد سوالات قائم کئے ہیں، جن کا ذکر یہاں مقدّمہ میں بیان کرنا ممکن نہیں، لہذا اس کے لیے آپ کو زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ کرنا ہوگا، مختصراً یہ ہے کہ فلاسفہ ومتکلمین کی اَبحاث نے مولانا موصوف کو ایسا اُلجھایا ہے کہ اُن کی ہر سلجھن بھی اُلجھن بن کر رہ گئی ہے، اور وہ صغریٰ، کبریٰ اور نتیجے کے جال میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔

فقیہ العصر، استاذی المکرّم حضرت علاّمہ مفتی ابو بکر صدیق قادری شاذلی دامت برکاتہم العالیہ نے مولانا موصوف کے ہر سوال کا مدلّل ومفصّل اور تسلّی بخش جواب دیا ہے، مقصودِ تالیف صرف اصلاح ہے، اسی لیے طرزِ تحریر بھی مثبت واِصلاحی اختیار کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ مولانا موصوف اس کا بغور مطالعہ فرمائیں گے، اور اپنے سابقہ موقف سے رجوع کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بالعموم اور مولانا موصوف کو بالخصوص حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور انہیں جلد از جلد اس دقیق علمی اُلجھن سے نجات عطا فرمائے، اور ان پر خصوصی رحم فرمائے، اور ہم سب کے ایمان کی بھی حفاظت فرمائے، آمین۔

والسّلام مع الاکرام

عبدالرشید ہمایوں

بسم الله الرحمن الرحيم

نَحمده ونَستعينه ونَستغفره ونؤمن به ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله مِن شرورِ أنفسِنا ومِن سَيِّئَاتِ أَعمالِنا، مَن يَهدِهِ اللهُ فلا مُضِلَّ له، ومَن يُضْلِلْهُ فلا هَادِيَ له، ونشهدُ أَن لاَ إلهَ إلاّ اللهُ وحده لا شريك له، ونشهد أَنّ سيِّدَنا محمداً عبدُه ورسولُه، صلّى الله عليه وآله وبارَكْ وسلَّم.

مولانا فیضِ رسول صاحب کے سوالات کا پلندا پروفیسر مفتی منیب الرحمن دام ظلہ العالی کے ذریعے مجھ تک پہنچا، راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ مولانا ضرورتِ دینی کے حوالے سے بُری طرح شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں، اسی لئے مولانا صاحب کے جوابات سے پہلے ضرورتِ دینی کے حوالے سے علمائے اہلِ سنّت کا موقف واضح کر دوں، علمائے اہل سنّت کثّرھم اللہ تعالی کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ضرورتِ دینی دو قِسم پر ہے: ایک تو وہ جو قرآنِ کریم، یا حدیثِ متواتر کی قطعی الدلالہ نصوص سے ثابت ہو، اور اس کی اتنی شہرت ہو کہ علماء کی صحبت میں رہنے والے مسلمان اسے جانتے ہوں، اس قسم کا انکار مطلقاً کفر ہے، اِلاّ یہ کہ منکر نَو مسلم ہو؛ کہ اس کے حق میں جہالت عذر ہے، اور ضرورتِ دینی کی دوسری قسم وہ ہے جسے عوام تو نہ جانتے ہوں، مگر علماء اس سے باخبر ہوں، مثلاً: قرآنِ پاک، یا حدیثِ متواتر کی قطعی الدلالہ نصوص سے ثابت مسئلہ، جسے عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے نہ جانتے ہوں، مگر علماء میں ممارستِ علم کی وجہ سے معروف ہو، اس قسم کا انکار اگر جاننے والا کرے تو کفر ہے، اور عوام کریں تو اوّلاً تکفیر نہیں کی جائے گی، بلکہ انہیں سمجھایا جائے گا، اور علم ہونے کے باوجود بھی انکار کرے تو اس پر حکمِ کفر ہو گا، علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ثمَّ المعْلُومُ بِالضَّرُورَةِ من الشَّرْع قِسْمَانِ، أَحدهمَا: مَا يعرفهُ الْخَاصَّةُ والعامّةُ، وَالثَّانِي: مَا قد يخفى على بعض الْعَوام، وَلَا يُنَافِي هَذَا قَوْلَنَا إِنَّه مَعْلُومٌ بِالضَّرُورَةِ؛ لِأَنّ الْمُرَاد مَنْ مارَس الشَّرِيعَةَ، عَلِم مِنْهَا مَا يحصل بِهِ الْعلمُ الضروري بذلك، وَهَذَا يحصل لبَعض النَّاس دون بعضٍ بِحَسب الممارَسة وَكَثْرَتهَا أَو قلّتهَا أَو عدمهَا، فالقسمُ الأوّل مَن أنكرهُ من الْعَوام والخواص فقد كفر؛ لِأَنَّهُ كالمكذِّب للنَّبِي ﷺ فِي خَبرِه، ومِنْ هَذَا الْقسم إِنْكَارُ وجوب الصَّلَاة وَالصَّوْم وَالزَّكَاة وَالْحج وَنَحْوهَا، وَتَخْصِيصُ رسَالَته ﷺ ببَعْض الْإِنْس فَمن قَالَ ذَلِك فَلَا شكَّ فِي كُفْرِه، وَإِن اعْترف بِأَنَّهُ رَسُول الله؛ لِأَنّ عُمُومَ رسَالَته إِلَى جَمِيع الْإِنْس مِمَّا يعلمهُ الْخَواصُ والعوامُ بِالضَّرُورَةِ من الدّين، وَالْقسمُ الثَّانِي مَن أنكرهُ من الْعَوام الَّذين لم يحصل عِنْدهم من ممارسة الشَّرْعِ مَا يحصل بِهِ الْعلمُ الضَّرُورِي، لم يكفر، وَإِن كَانَت كَثْرَة الممارسة توجِب للْعُلَمَاء الْعلم الضَّرُورِيّ بِهِ، وَمن هَذَا الْقسم عُمُوم رسَالَته ﷺ إِلَى الْجِنّ؛ فَإِنَّا نعلم بِالضَّرُورَةِ ذَلِك لِكَثْرَة ممارستنا لأدلّة الْكتاب وَالسنّة وأخبار الْأُمَم، وَأمّا الْعَامّي الَّذِي لم يحصل لَهُ ذَلِك الْعلم، إِذا أنكر ذَلِك فَإِن قيّد الشَّهَادَة بالرّسالة إِلَى الْإِنْس خَاصَّةً خشيت عَلَيْهِ الْكفْر كَمَا قدّمته، وَإِن أطلق الشَّهَادَة بِأَن لَا إِلَه إِلَّا الله وَأَن مُحَمَّداً رَسُول الله، وَلم يتَنَبَّه إِلَى أَنّ إِنْكَارَه لعُمُوم الرّسَالَة للجنّ يُخَالف ذَلِك، فَلَا أرى الحكمَ بِكُفْرِهِ، ولكنْ يُؤَدَّب على كَلَامِه فِي الدّين وَالْجهل وَيُؤمَر بِأَن يتَعَلَّم الْحَقَّ فِي ذَلِك لتزول عَنهُ الشُّبْهَةُ الَّتِي أوجبتْ لَهُ الْإِنْكَارَ، وَإِذا لم يحصل مِنْهُ إِنْكَارٌ، وَلَا تكلمٌ فِي ذَلِك، وَلَا خطر بِبَالِهِ شَيْءٌ مِنْهُ، فَلَا لومَ عَلَيْهِ، وَلَا يُؤمَر بتَعَلُّم ذَلِك؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِفَرْض عين، وإنْ خَطَر بِبَالِهِ ذَلِك، لزمَه السُّؤَالُ واعتقادُ الْحق أَو صَرَف نَفْسه عَن اعْتِقَاد الْبَاطِل، وَيشْهد للنَّبِي

ﷺ بالرّسالة؛ فَعلم أَنّ العامّي لَا يُكَلَّف بِالْعلمِ بذلك قطعاً وَلَا ظنّاً، وَأَن الْعَالم المطْلُوب مِنْهُ الْعلمُ، وَأَن هَذِه المسْأَلَة وَإِن كَانَت قَطْعِيَّةً، لَكِن فِي نَفسهَا إِذْ الْقطعُ فِيهَا غيرُ لَازمٍ للعامّي، فَهِيَ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ الْفُرُوع الثَّابِتَة بالتواتر".

("الفتاوى الحديثية"، صـ٢٦٩، ٢٧٠، دار إحياء التراث العربي، بيروت).

ترجمہ: "پھر ضروریاتِ دینی کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جسے خاص وعام سب جانتے ہوں، اور دوسری وہ جو کبھی بعض عوام سے مخفی رہ جاتی ہے، اور یہ بات ہمارے قول کہ: "وہ ضرورتِ دینی ہے" کے خلاف نہیں؛ کیونکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو شریعت کی مہارت رکھتا ہو، اور اسے اس سے ضروری علم حاصل ہو، اور یہ علم بعض کو اپنی ممارست کی کثرت یا قلت یا عدمِ ممارست کے مطابق حاصل ہوتا ہے، چنانچہ پہلی قسم کا عوام وخواص میں سے جو بھی منکر ہو وہ کافر ہے؛ کیونکہ اس کی مثال نبیٔ کریم ﷺ کی خبر کو جھٹلانے والے کی سی ہے، اور اس قسم سے نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے وجوب کا انکار کرنا ہے، اور نبیٔ کریم ﷺ کی رسالت کو بعض انسانوں تک خاص کرنا بھی ہے، چنانچہ جو بھی یہ بات کہے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں، اگرچہ وہ اعتراف کرتا ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت کا عموم تمام انسانوں تک ایسی ضرورتِ دینی ہے جسے خواص وعوام سب جانتے ہیں، اور ضرورتِ دینی کی دوسری قسم اگرچہ کثرتِ ممارست کی وجہ سے علماء کے لئے علمِ ضروری کو ثابت کرتی ہے، اور اسی قسم سے آپ ﷺ کی رسالت جِنّات کو بھی عام ہے، بے شک ہم کتاب وسنّت واقوام کی خبروں میں اپنی کثرتِ ممارست کی وجہ سے اس بات کو بداہۃً جانتے ہیں، اور وہ عام شخص جسے یہ علم حاصل نہیں، اگر وہ اس بات کا انکار کرے تو اگر وہ رسالت کو صرف انسانوں تک خاص کرے، تو اس پر کفر کا خوف ہے، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اور اگر وہ مطلق لا إلهَ إلاّ الله محمداً رسول الله کی شہادت دے، اور اس بات پر آگاہ نہ ہو کہ اس کا جِنّات کی طرف رسالت کا انکار اس کے اِطلاق کے مخالف ہے، تو میں اس کے بارے میں

حکمِ کفر نہیں سمجھتا، لیکن ایسے شخص کو دِین میں کلام اور جہالت پر تادیب کی جائے گی، اور حکم دیا جائے گا کہ وہ اس مسئلے میں حق سے آگاہی حاصل کرے؛ تاکہ اس کا وہ شبہ زائل ہو جائے جو انکار کا موجِب ہے، اور اگر اس سے نہ انکار ظاہر ہو اور نہ ہی اس قسم کا تکلم، اور نہ ہی اس کے دل میں اس قسم کا کوئی گمان گزرے، تو اس پر کوئی ملامت نہیں، اسے اس کی تعلیم کا حکم نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اس کا سیکھنا فرضِ عین نہیں، اور اگر اس کے دل میں اس قسم کے وسوسے آتے ہوں تو اس پر سوال کرنا، حق بات کا اعتقاد کرنا، اور خود کو باطل سے پھیرنا لازم ہے، اور وہ نبیٔ کریم ﷺ کی عمومِ رسالت کی گواہی دے، تو معلوم ہوا کہ عامی نہ تو اس بارے میں قطعی علم کا مکلّف ہے اور نہ ہی ظنّی کا، ہاں عالم سے یہ علم مطلوب ہے، یہ مسئلہ (عمومِ رسالت مآب ﷺ) اگرچہ فی نفسہا قطعی ہے، مگر یہ قطعیت عامی کو لازم نہیں، چنانچہ یہ عامی کے لئے ایسی فروع کی طرح ہے جو تواتر سے ثابت ہو"۔

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ہم مولانا فیضِ رسول کے مقالے کی طرف آتے ہیں، مولانا فیضِ رسول صاحب کے تمام سوالات کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ "حسام الحرمین" میں جن چار اَفراد (نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی) کی تکفیرِ شخصی کی گئی ہے، ان کا کافر ہونا ضرورتِ دینی کی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے، جس کے بارے میں علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ: "جو اس پر مطلع ہونے کے باوجود انکار کرے وہ کافر ہے"، لہذا جو ان چاروں کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے کفر میں توقف کرے، یا سرے سے انکار کرے، وہ شخص بھی کافر ہے، جیسا کہ خود امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت نے "فتاوی رضویہ" میں اور غزالیٔ دوراں حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہما نے "الحق المبین" میں تصریح فرمائی ہے، نیز ہمارے ان معتمد علماء کا علم کی قید لگانا اس بات پر دال ہے کہ ان چاروں کا کافر ہونا ضرورتِ دینی نہیں، بلکہ انہوں نے جس بات کا ارتکاب کیا ہے، ان میں ضرور کسی نہ کسی ضرورتِ دینی کا انکار پایا جاتا ہے، لہذا ان کے کفر پر مطلع ہونے کے

باوجود تکفیر میں تردّد اس ضرورتِ دینی کے انکار کی مثل ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وَاعْلَم أَنّ التردُّدَ فِي المعْلُوم من الدّين بِالضَّرُورَةِ كالإنكار". ("الفتاوى الحديثية"، صـ٢٦٧)، یعنی "ضرورتِ دینی میں تردُّد انکار کی مثل ہے"۔

یا اس شخص کے نزدیک ضرورتِ دینی کا انکار کفر نہیں ہے، اور کسی ضرورتِ دینی کے انکار کو کفر نہ جاننا اس ضرورتِ دینی کے انکار کی دلیل ہے، بہر حال یہ دونوں ہی باتیں کفر ہیں، رہی یہ بات کہ ان چاروں نے بعض ضروریاتِ دینی کا انکار کیا ہے یا نہیں، تو اس کا جواب "حسام الحرمین"، "الصوارم الہندیہ"، "ردِ سیفِ یمانی" اور "ردِ شہابِ ثاقب" سے جانا جا سکتا ہے، بلاشبہ مذکورہ چاروں کتب سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان چاروں نے بعض ضروریاتِ دینی کا انکار کیاہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک دنیائے دیوبند سے ان کتابوں کا صحیح جواب نہیں ہو سکا، اور جہاں تک مولانا کے اِشکالات یا سوالات کا تعلق ہے، تو ان میں سے اکثر خود ساختہ ہیں، یا غلط فہمی پر مبنی ہیں، جیسا کہ آئندہ سطور سے واضح ہو جائے گا۔

مولانا فیضِ رسول نے اپنی تحریر میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ تکفیر کے مسئلہ میں کوئی طے شدہ اصول ضرور ہونا چاہیے، راقم الحروف اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے اسی بات کی وضاحت کرے گا کہ الحمد للہ ہمارے علماء کے نزدیک اس کے مسلّمہ اصول موجود ہیں، یہ الگ بات ہے کہ آپ ان اصولوں سے واقف نہیں ہیں۔

تکفیرِ شخصی سے متعلق اہلِ سنّت کا موقف

علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "إذا أشكل، أي: التبس على الإنسان من أهل الإيمان شيئٌ من دقائق علم التوحيد، يجب عليه أن يعتقدَ في الحال بما هو الصّواب عند الله تعالى بطريق الإجمال، إلى أن يجدَ عالماً فيسأله، ولا يسعه تأخيرُ

الطلب، ولا يعذر بالوقف عليه، أي: بتوقّفه في معرفة هذه الأحوال وعدم تفحّصه بالسؤال، ويكفر في الحال إن توقّف على بيان الأمر في الاستقبال؛ لأنّ التوقّف موجِبٌ للشكّ، وهو فيما يفترض اعتقادُه كالإنكار، ولذا أبطلوا قولَ الثلجي من أصحابنا حيث قال: أقول بالمتفق، وهو أنّه كلامُه تعالى، ولا أقول: مخلوقٌ أو قديم".

("المعتقد المنتقد"، صـ۲۳۷، مطبوعہ: برکاتی پبلشرز کراچی).

ترجمہ: "اگر کسی مسلمان پر علمِ توحید کے دقائق میں سے کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے، تو اس پر فی الحال واجب ہے کہ اِجمالی طور پر اس بات کا اعتقاد کرے جو اللہ کے نزدیک صواب و درست ہے، یہاں تک کہ کسی عالم کو پائے، تو اس سے پوچھے، اور اسے عالم کی جستجو میں تاخیر کا اختیار نہیں، اور وہ اس مسئلہ میں توقّف کی وجہ سے، یعنی ان احوال کی معرفت میں تردُّد کے سبب اور عالم سے سوال کے ذریعے حق کی تلاش نہ کرنے کے سبب معذور نہیں ہوگا، لہذا فی الحال کافر ہو جائے گا، اگرچہ توقف کرے کہ مستقبل میں ٹھیک عقیدہ بیان کروں گا؛ اس لئے کہ توقف شک کا موجِب ہے، اور ایسی بات میں شک جس کا اعتقاد کرنا فرض ہے، انکار کی طرح ہے، اور اسی لئے علماء نے ہمارے اصحاب میں سے ثلجی کے قول کو باطل کہا جب ثلجی نے کہا کہ: "جو بات قرآن کے بارے میں آئمہ کے درمیان متفق علیہ ہے میں اس کو مانتا ہوں، اور وہ یہ کہ: "قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے"، اور میں یہ نہیں کہتا کہ: "وہ مخلوق ہے یا قدیم ہے"۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت "يكفر في الحال"، یعنی "فوراً کافر ہو جائے گا" کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے حاشیہ بنام: "المعتمد المستند بناء نجاة الأبد" میں رقم طراز ہیں:

"إن كانت المسألةُ من ضروريات الدِّين"، یعنی اگر وہ مسئلہ ضروریاتِ دِین میں سے ہو۔

("المعتمد المستند"، صـ۲۳۷، مطبوعہ: برکاتی پبلشرز کراچی).

پھر علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں: "والمرادُ بدقائق علم التوحيد أشياء يكون الشكّ والشبهة فيها منافياً للإيمان ومناقضاً للإيقان بذات الله وصفاته ومعرفة كيفيّة المؤمَن به بأحوال آخرته، فلا ينافي أنّ الإمام توقّف في بعض الأحكام؛ لأنّها في شرائع الإسلام، والاختلافُ في علم الأحكام رحمةٌ، والاختلافُ في علم التوحيد والإسلام ضلالةٌ وبدعةٌ، والخطاءُ في علم الأحكام مغفورٌ، بل صاحبُه فيه مأجورٌ، بخلاف الخطاء في علم الكلام؛ فإنّه كفرٌ وزورٌ، وصاحبُه مأزورٌ، هذا ما أفاده الإمامُ الأعظم في "الفقه الأكبر"، والقاري في "شرحه".

("المعتقد المنتقد"، صـ٢٣٨).

ترجمہ: "علمِ توحید کے دقائق سے مراد ایسی اشیاء ہیں جن میں شک وشبہ ایمان کی منافی ہو، اللہ تعالی کی ذات وصفات پر یقین کے خلاف ہو، اور احوالِ آخرت میں سے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اُن کی کیفیت کی معرفت کا مُعارِض ہو، تو یہ بات اس کے منافی نہیں کہ امامِ اعظم نے بعض اَحکام میں توقف کیا؛ کیونکہ وہ شریعت کے مسائل میں توقف تھا، علمِ اَحکام میں اختلاف رحمت ہے، اور علمِ توحید واسلام میں اختلاف گمراہی وبدعت ہے، علمِ اَحکام میں خطا معاف ہے، بلکہ اس میں غلطی کرنے والے کو اَجر ملتا ہے، جبکہ اس کے بَرخلاف علمِ کلام میں خطا کرنا بلاشبہ کفراور جھوٹ ہے، اور غلطی کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے، یہ وہ ہے جس کا افادہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "فقہِ اکبر"، اور علامہ علی قاری نے اس کی شرح میں کیا۔

مذکورہ بالا پہلی عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سیّدنا امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، جو "الفقہ الاَکبر" سے لئے گئے ہیں، اور دوسری عبارت بعینہ "شرح الفقہ الاَکبر" للعلامۃ علی القاری (صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ: میر محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی) میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی کی تکفیرِ شخصی صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کوئی کسی ضرورتِ دینی کاانکار کرے، یااس میں توقف یاشک کرے، ہاں البتہ انکار، توقف یاشک کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں کئی صورتیں "شفاء شریف" میں بیان کی گئی ہیں، درج ذیل سطور میں وہ صورتیں اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں: (١) "أَنَّ كُلَّ مَقَالَةٍ صَرَّحَتْ بِنَفْيِ الرُّبُوبِيَّةِ أَوِ الْوَحْدَانِيَّةِ أَوْ عِبَادَةِ أَحَدٍ غَيْرِ الله أو مع الله فهي كُفْرٌ".

("الشفاء بتعريف حقوق المصطفى"، الجزء الثاني، صـ٢٤٤، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان).

ترجمہ: "ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یاوَحدانیت کی صراحت سے نفی ہو، یاکسی غیر اللہ کی پرستش، یااللہ تعالی کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو، تووہ کفر ہوگا"۔

(٢) "كذلك مَن اعترف بإلاهية الله وَوَحْدَانِيَّتِهِ، وَلَكِنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّهُ غَيْرُ حَيٍّ أَوْ غَيْرُ قَدِيمٍ، وَأَنَّهُ مُحْدَثٌ أَوْ مُصَوَّرٌ، أو ادّعى له وَلداً أو صاحبةً أَوْ وَالِداً، أَوْ أَنَّهُ مُتَوَلِّدٌ مِنْ شَيْءٍ أَوْ كَائِنٌ عَنْهُ، أَوْ أَنَّ مَعَهُ فِي الْأَزَلِ شَيْئاً قَدِيماً غَيْرَهُ، أَوْ أَنَّ ثَمَّ صَانِعاً لِلْعَالَمِ سِوَاهُ أَوْ مُدَبِّراً غَيْرَهُ، فَذَلِكَ كُلُّهُ كُفْرٌ بِإِجْمَاعِ المسْلِمِينَ". (صـ٢٤٥).

ترجمہ: "اسی طرح وہ شخص جو اللہ ﷻ کی اُلوہیت ووَاحدانیت کاتو قائل ہو، لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذاللہ) کہ: وہ حَی نہیں ہے، یاغیرِ قدیم ہے، اور یہ کہ وہ محدَث ہے، یایہ کہ اس کی شکل وصورت ہے، یایہ کہ یہ دعویٰ کرے کے اس کے کوئی بچہ یاشریک (ساتھی)، یاباپ ہے، یاوہ کسی شے سے متولد (پیدا) ہواہے، یااس سے کوئی متولد وکائن ہواہے، یایہ کہ اس کے ساتھ اَزَل سے کوئی شے اس کے سِوا قدیم ہے، یایہ کے جہان میں اس کے سِوا کوئی اور صانع اور مدبّر ہے، یہ تمام باتیں کفر ہیں، جس پر اجماعِ امتِ مسلمہ ہے"۔

(٣) "كَذَلِكَ مَنِ ادَّعَى مُجَالَسَةَ اللهِ وَالْعُرُوجَ إِلَيْهِ وَمُكَالَمَتَهُ أَوْ حُلُولَهُ فِي أَحَدِ الْأَشْخَاصِ".

ترجمہ: "اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ کوئی اللہ ﷻ کے ساتھ بیٹھا ہے، یا اس کی طرف چڑھتا ہے، یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے، یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے"۔

(٤) "كَذَلِكَ نَقْطَعُ عَلَى كُفْرِ مَنْ قَالَ بِقِدَمِ الْعَالَمِ أَوْ بَقَائِهِ، أَوْ شَكَّ فِي ذَلِكَ عَلَى مَذْهَبِ بَعْضِ الْفَلَاسِفَةِ".

ترجمہ: "اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالم قدیم ہے، یا عالم ہمیشہ باقی رہے گا، یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں کا مذہب ہے"۔

(٥) "كَذَلِكَ مَنِ اعْتَرَفَ بِالْإِلَهِيَّةِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ وَلَكِنَّهُ جَحَدَ النُّبُوَّةَ مِنْ أَصْلِهَا عُمُوماً أَوْ نُبُوَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ خصوصاً أو أحدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ نَصَّ اللهُ عَلَيْهِمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِذَلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ بِلَا رَيْبَ".

ترجمہ: "اسی طرح وہ شخص جو اُلوہیت و وحدانیت کا تو معترف ہو، مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ، یا ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ، یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ ﷻ کی نص موجود ہے، پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلا شک کافر ہے"۔

(٦) "وَكَذَلِكَ مَنْ دَانَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَصِحَّةِ النُّبُوَّةِ وَنُبُوَّةِ نَبِيِّنَا ﷺ وَلَكِنْ جَوَّزَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ الْكَذِبَ فِيمَا أَتَوْا بِهِ ادَّعَى فِي ذَلِكَ الْمَصْلَحَةَ بِزَعْمِهِ أَوْ لَمْ يَدَّعِهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِإِجْمَاعٍ".

ترجمہ: "اسی طرح وہ شخص جو وحدانیت، عام نبوت اور ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو، لیکن انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو، اور اپنے زعم میں اس میں مصلحت کو مانتا ہو، یا نہ مانتا ہو (بہر حال) وہ بالاِجماع کافر ہے"۔

(٧) "وَكَذَلِكَ مَنْ أَضَافَ إِلَى نَبِيِّنَا ﷺ تَعَمُّدَ الْكَذِبِ فِيمَا بَلَّغَهُ وَأَخْبَرَ بِهِ أَوْ شَكَّ فِي صِدْقِهِ أَوْ سَبَّهُ أَوْ قَالَ: إِنَّهُ لَمْ يُبَلِّغْ أَوِ اسْتَخَفَّ بِهِ أَوْ بِأَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَوْ أَزْرَى عَلَيْهِمْ أَوْ آذَاهُمْ أَوْ قَتَلَ نَبِيّاً أَوْ حَارَبَهُ فَهُوَ كَافِرٌ بِإِجْمَاعٍ"، (صـ٢٤٦).

ترجمہ: "اسی طرح جو شخص ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کی طرف آپ کی تبلیغِ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے، یا آپ ﷺ کے صدق میں شک کرے یا آپ کو گالی دے، یا یہ کہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں کی، یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے، یا انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے، یا انہیں گناہ گار کہے، یا انہیں اذیت پہنچائے، یا کسی نبی کو قتل کرے، یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالاِجماع کافر ہے"۔

(٨) "وَكَذَلِكَ نُكَفِّرُ مَنِ اعْتَرَفَ مِنَ الْأُصُولِ الصَّحِيحَةِ بِمَا تقدّمَ وَنُبُوَّةِ نَبِيِّنَا ﷺ وَلَكِنْ قَالَ: كَانَ أَسْوَدَ أَوْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَلتحِيَ أَوْ ليس الَّذِي كَانَ بِمَكَّةَ وَالْحِجَازِ أَوْ لَيْسَ بِقُرَشِيٍّ؛ لأَنّ وَصْفَهُ بِغَيْرِ صِفَاتِهِ الْمَعْلُومَةِ نَفْيٌ لَهُ وَتَكْذِيبٌ بِه".

ترجمہ: "اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصولِ صحیحہ اور ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو، مگر یہ کہتا ہو کہ: "آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے، یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے، یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکۂ مکرّمہ اور حجازِ مقدّس میں پیدا ہوئے تھے، یا یہ کہ آپ ﷺ قرشی نہیں تھے"، دلیلِ کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کے معروف و مشہور اَوصاف کے خلاف ہو، گویا کہ اس نے آپ ﷺ کی نفی کی، اور آپ ﷺ کی تکذیب کی"۔

(٩) "وَكَذَلِكَ مَنِ ادَّعَى نُبُوَّةَ أَحَدٍ مَعَ نَبِيِّنَا ﷺ أَوْ بَعْدَه.... أَوْ مَنِ ادَّعَى النُّبُوَّةَ لِنَفْسِهِ أَوْ جَوَّزَ اكْتِسَابَهَا وَالْبُلُوغَ بِصَفَاءِ الْقَلْبِ إِلَى مَرْتَبَتِهَا.... وَكَذَلِكَ مَنِ ادَّعَى مِنْهُمْ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَدَّعِ النُّبُوَّةَ أو أنه يصعد إلى السماء ويدخل الْجَنَّةِ وَيَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا

وَيُعَانِقُ الْحُورَ الْعِينَ فَهَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ كُفَّارٌ مُكَذِّبُونَ لِلنَّبِيِّ ﷺ لأنه أَخْبَرَ ﷺ أَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَأَخْبَرَ عَنِ اللهِ تَعَالَى أَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَأَنَّهُ أُرْسِلَ كَافَّةً لِلنَّاسِ وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى حَمْلِ هَذَا الْكَلَامِ على ظاهره وأنّ مفهومه المراد به دُونَ تَأْوِيلٍ وَلَا تَخْصِيصٍ فَلَا شَكَّ فِي كُفْرِ هَؤُلَاءِ الطَّوَائِفِ كُلِّهَا قَطْعاً إِجْمَاعاً وَسَمْعاً". (صـ٢٤٦، ٢٤٧).

ترجمہ: "اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے (خواہ آپ ﷺ کے زمانۂ حیاتِ ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے، اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کرے، یا منصبِ نبوت کو اکتسابی قرار دے، اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبۂ نبوت کے حصول کو جائز جانے، اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعویٰ کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے، یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں، اور جنّت میں داخل ہو جاتا ہوں، اور جنّت کے پھل کھاتا ہوں، اور حورِ عین سے معانقہ کرتا ہوں، تو یہ سب کے سب کافر اور نبیٔ کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کذّاب ہیں؛ اس لئے کہ بلاشبہ نبیٔ کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ ایسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصبِ نبوت ملنا ہی نہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی جانب سے خبر دی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے، اور ان کا مفہوم و مراد بغیر تاویل و تخصیص کے یہی ہے، چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجماعِ قطعی اور سمعی کی طرح شک و تردّد نہیں ہے"۔

(١٠) "وَكَذَلِكَ وَقَعَ الْإِجْمَاعُ عَلَى تَكْفِيرِ كُلِّ مَنْ دَافَعَ نَصَّ الْكِتَابِ أَوْ خَصَّ حَدِيثاً مُجْمَعاً عَلَى نَقْلِهِ مَقْطُوعاً بِهِ مُجْمَعاً عَلَى حَمْلِهِ عَلَى ظَاهِرِهِ كَتَكْفِيرِ الْخَوَارِجِ بِإِبْطَالِ الرَّجْمِ وَلِهَذَا نكفّر من لم يكفّر مَنْ دَانَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْمِلَلِ أَوْ وَقَفَ فِيهِمْ أَوْ

شَكَّ أَوْ صَحَّحَ مَذْهَبَهُمْ وَإِنْ أَظْهَرَ مَعَ ذَلِكَ الْإِسْلَامَ وَاعْتَقَدَهُ وَاعْتَقَدَ إِبْطَالَ كُلِّ مَذْهَبٍ سِوَاهُ فَهُوَ كَافِرٌ بِإِظْهَارِهِ مَا أَظْهَرَ مِنْ خِلَافِ ذَلِكَ". (صـ۲٤۷).

ترجمہ: "اسی طرح ہر اُس شخص کے کفر پر اِجماع ہے جو نصِ کتاب کو دفع کرتا ہے، یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا ہے جس کی نقل پر یقین ہے اور وہ بالاِجماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، جیسے خوارج کو حکمِ رجم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا، اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دِین کے سوا کسی اور دِین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا، یا ان میں توقف کرتا ہے، یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے، یا ان کے دِین ومذہب کو صحیح کہتا ہے، اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو، اور اسلام کے سِوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو، تب بھی وہ کافر ہے؛ کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے"۔

(۱۱) "وَكَذَلِكَ نقْطع بتكفير كلّ قائلٍ قَالَ قَوْلاً يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى تَضْلِيلِ الْأُمَّةِ وَتَكْفِيرِ جَمِيعِ الصَّحَابَةِ".

ترجمہ: "اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت کی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی تکفیر تک نوبت پہنچے"۔

(۱۲) "وَكَذَلِكَ نُكَفِّرُ بِكُلِّ فِعْلٍ أَجْمَعَ المسْلِمُونَ أَنَّهُ لَا يَصْدُرُ إِلَّا مِنْ كَافِرٍ وَإِنْ كَانَ صَاحِبُهُ مُصَرِّحاً بِالْإِسْلَامِ مَعَ فِعْلِهِ ذَلِكَ الْفِعْلَ كَالسُّجُودِ لِلصَّنَمِ وَلِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالصَّلِيبِ وَالنَّارِ وَالسَّعْيِ إِلَى الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ مَعَ أَهْلِهَا وَالتَّزَيِّي بِزِيِّهِمْ من شدّ الزنانير وفحْص الرؤوس فَقَدْ أَجْمَعَ المسْلِمُونَ أَنَّ هَذَا لَا يُوجَدُ إِلَّا مِنْ كَافِرٍ وَأَنَّ هَذِهِ الْأَفْعَالَ عَلَامَةٌ عَلَى الْكُفْرِ وَإِنْ صَرَّحَ فَاعِلُهَا بِالْإِسْلَامِ". (صـ۲٤۸).

ترجمہ: "اسی طرح ہم ہر اس فعل کی بھی تکفیر کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا اِجماع ہو کہ وہ فعل کافر کے سِوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی

بھی تصریح کرتا ہو، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، اور یہود ونصاریٰ کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ جانا، اور ان کی شکل وصورت اختیار کرنا، جیسے زُنار باندھنا، یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا، اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ اَفعال علاماتِ کفریہ ہیں، اگرچہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے"۔

(١٣) "وَكَذَلِكَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى تَكْفِيرِ كُلِّ مَنِ اسْتَحَلَّ القتلَ أَوْ شُرْبَ الْخَمْرِ أَوِ الزِّنَا مِمَّا حَرَّمَ اللهُ بَعْدَ عِلْمِهِ بِتَحْرِيمِه".

ترجمہ: "اسی طرح مسلمانوں کا اِجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتلِ مسلم، یا شراب پینے، یا زِنا کو جسے اللہ ﷻ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے، اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو، تو یہ بھی کافر ہیں"۔

(١٤) "وَكَذَلِكَ نَقْطَعُ بِتَكْفِيرِ كُلِّ مَنْ كَذَّبَ وَأَنْكَرَ قَاعِدَةً مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ وَمَا عُرِفَ يَقِيناً بِالنَّقْلِ المتَوَاتِرِ مِنْ فِعْلِ الرَّسُوْلِ وَوَقَعَ الْإِجْمَاعُ المتَّصِلُ عَلَيْهِ".

ترجمہ: "اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر بھی یقین رکھتے ہیں جو قواعدِ شرع اور اس امر کی تکذیب کرے جو یقینی طور پر بنقلِ تواتر رسول اللہ سے منقول ہو، اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آرہا ہو"۔

(١٥) "وكذلك أُجْمِعَ عَلَى تَكْفِيرِ مَنْ قَالَ مِنَ الْخَوَارِجِ إِنَّ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِوَعَلَى تَكْفِيرِ الْبَاطِنِيَّةِ فِي قَوْلِهِمْ إِنَّ الْفَرَائِضَ أَسْمَاءُ رِجَالٍ أُمِرُوا بِوِلَايَتِهِمْ والخبائثَ والمحارمَ أسماءُ رِجَالٍ أُمِرُوا بالبراءة منهم وَقَوْلُ بَعْضِ المتَصَوِّفَةِ: إِنَّ الْعِبَادَةَ وَطُولَ المجَاهَدَةِ إِذَا صَفَتْ نُفُوسُهُمْ أَفْضَتْ بِهِمْ إِلَى إِسْقَاطِهَا وَإِبَاحَةِ كُلِّ شَيْءٍ لَهُمْ وَرَفْعِ عَهْدِ الشَّرَائِعِ عَنْهُمْ"، (صـ ٢٤٩).

ترجمہ: "اسی طرح اس کی تکفیر پر بھی اِجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ: "نماز صرف دو طرفوں میں ہے" (یعنی صبح وشام)، اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اِجماع ہے جو کہتے ہیں کہ: "بے شک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کے لئے حکومت کا حکم دیا گیا، اور خبائث ومحارم ان مردوں کے

نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے"، اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ: "عبادت اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ستھرے ہو جائیں تو اُن سے اَحکام ساقط ہو جاتے ہیں، اور ان کے لئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے، اور ان سے اَحکامِ شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے"۔

(١٦) "وَكَذَلِكَ إِنْ أَنْكَرَ مُنْكِرٌ مَكَّةَ أَوِ الْبَيْتَ أَوِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ أَوْ صِفَةَ الْحَجِّ أَوْ قَالَ الْحَجُّ وَاجِبٌ فِي الْقُرْآنِ وَاسْتِقْبَالُ القبلةِ كذلك ولكن كونُه على هذهِ الهيئةِ المتعارفةِ وأنّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ هِيَ مَكَّةُ وَالْبَيْتُ وَالْمَسْجِدُ الْحَرَامُ لا أدري هل هِيَ تِلْكَ أَوْ غَيْرُهَا وَلَعَلَّ النَّاقِلِينَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَسَرَّهَا بِهَذِهِ التفاسيرِ غَلِطُوا ووَهِمُوا فهذا ومثله لا مِرْيَةَ فِي تَكْفِيرِهِ إِنْ كَانَ مِمَّنْ يُظَنُّ بِهِ عِلمُ ذلك وممن خالط المسْلِمِينَ وَامْتَدَّتْ صُحْبَتُهُ لَهُمْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حديث عهدٍ بالإسلام فَيُقَالُ لَهُ سَبِيلُكَ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ هَذَا الَّذِي لَمْ تَعْلَمْهُ بَعْدُ كَافَّةِ المسْلِمِينَ فَلَا تَجِدُ بَيْنَهُمْ خِلَافاً كَافَّةً عَنْ كَافَّةٍ إِلَى معاصر الرَّسُولِ ﷺ أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ كَمَا قِيلَ لَكَ وَأَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ هِيَ مَكَّةُ وَالْبَيْتُ الَّذِي فِيهَا هُوَ الْكَعْبَةُ وَالْقِبْلَةُ الَّتِي صَلَّى لَهَا الرَّسُولُ ﷺ وَالمسْلِمُونَ وَحَجُّوا إِلَيْهَا وَطَافُوا بِهَا وأنّ تلك الأفعالَ هي صفات عِبَادَةِ الْحَجِّ وَالمرَادُ بِهِ وَهِيَ الَّتِي فَعَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَالمسْلِمُونَ وَأَنَّ صفات الصلوات المذْكُورَةِ هِيَ الَّتِي فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَشَرَحَ مُرَادَ الله بِذَلِكَ وَأَبَانَ حُدُودَهَا فَيَقَعُ لَكَ الْعِلْمُ كَمَا وَقَعَ لَهُمْ وَلَا تَرْتَابُ بذلك بعدُ والمرتابُ في ذلك والمنكرُ بعد البحثِ وصحبة المسلمين كافرٌ باتّفاق ولا يُعْذَرُ بِقَوْلِهِ: لَا أَدْرِي وَلَا يُصَدَّقُ فِيهِ بَلْ ظَاهِرُهُ التَّسَتُّرُ عَنِ التَّكْذِيبِ إِذْ لَا يُمْكِنُ أَنَّهُ لَا يَدْرِي". (صـ٢٤٩، ٢٥٠).

ترجمہ: "اسی طرح جو شخص مکۂ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجدِ حرام یا مناسکِ حج کا انکار کرے، یا کہے کہ: حج قرآن میں فرض ہے، اور استقبالِ قبلہ بھی فرض ہے، لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا،

اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے، یابیت اللہ اور مسجدِ حرام ہے، میں نہیں جانتاآیایہی ہے یااس کے سِوا ہیں، اور کہے کہ: ناقلین نے جو یہ نقل کیاکہ " نبی ٔکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ تفسیر کی ہے" ممکن ہے کہ غلطی کی ہو، اور وہم ہو گیاہو کہ یہ یُوں نہیں ہے، سو یہ اوراس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلاً شک نہیں ہے، اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتاہے، اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجاَلست و مصاحَبت ہے تو یہ کفر ہو گا، مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایاہو) تو ایسوں سے کہاجائے گا کہ: تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کرلو، تمہیں معلوم ہو جا ئے گا، ان میں کوئی خلاف نہیں ہے، اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابۂ کِرام رضی اللہ تعالی عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی، جیساکہ تم سے کہا گیاہے کہ یہ مکہ ہے، اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہاجاتاہے، جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں، اور اسی کا حج و طواف کیاہے، اور یہی وہ اَفعال ہیں جو مناسکِ حج میں عبادت ہیں، اور یہی مقصود ہے، اور یہی اَفعال نبی ٔکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے کئے ہیں، اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھاہے، اور اللہ عزوجل نے اپنی مراد اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واضح فرمائی، اور اس کے حدود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشن کئے، تو تمہیں بھی معلوم ہو جا ئے گا جیسے ان مسلمانوں کو معلوم ہے،اس کے بعد کوئی شک و تردُّد باقی نہیں رہے گا،بعد علم و بحث اور بعد صحبت و مجاَلستِ مسلمین بھی وہ شک و تردُّد یاانکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے، اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور نہیں جاناجائے گا، اور اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپاناہے،اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہاکہ وہ اب بھی لاعلم ہو"۔

(١٧) "وَكَذَلِكَ مَنْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ أَوْ حَرْفاً مِنْهُ أَوْ غَيَّرَ شَيْئاً مِنْهُ أَوْ زَادَ فِيهِ".

(صـ٢٥٠).

ترجمہ: "اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا، یا اس کے کسی حصہ اور جزء میں تغیّر و تبدّل کیا، یا اس میں کچھ زیادہ کیا"۔

(١٨) "وَكَذَلِكَ مَنْ أَنْكَرَ شَيْئاً مِمَّا نَصَّ فِيهِ الْقُرْآنُ بَعْدَ عِلْمِهِ أَنَّهُ مِنَ الْقُرْآنِ الَّذِي فِي أَيْدِي النَّاسِ وَمَصَاحِفِ الْمُسْلِمِينَ وَلَمْ يَكُنْ جَاهِلاً بِهِ وَلَا قَرِيبَ عَهْدٍ بِالْإِسْلَامِ وَاحْتَجَّ لِإِنْكَارِهِ إِمَّا بِأَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ النَّقْلُ عِنْدَهُ وَلَا بَلَغَهُ الْعِلْمُ به أو لتجويز الوهم على ناقله فَنُكَفِّرُه". (صـ٢٥٠، ٢٥١).

ترجمہ: "اسی طرح جو منصوص فی القرآن کا منکر ہو، اور اسے یہ معلوم بھی ہو کہ یہ مصاحفِ مسلمین اور اس قرآن مجید میں ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو، اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقلِ صحیح نہیں، اور نہ اسے کسی دوسرے سے اس کا علم ہوا، یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو، تو ہم ایسے کی بھی (انہیں دونوں طریقوں پر) تکفیر کریں گے"۔

(١٩) "وَكَذَلِكَ مَنْ أَنْكَرَ الْجَنَّةَ أَوِ النَّارَ أَوِ الْبَعْثَ أَوِ الْحِسَابَ أَوِ الْقِيَامَةَ فَهُوَ كَافِرٌ بِإِجْمَاعٍ لِلنَّصِّ عَلَيْهِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ عَلَى صِحَّةِ نَقْلِهِ مُتَوَاتِراً وَكَذَلِكَ مَنِ اعْتَرَفَ بِذَلِكَ وَلَكِنَّهُ قَالَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَشْرِ وَالنَّشْرِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ مَعْنىً غَيْرُ ظَاهِرِهِ وَإِنَّهَا لَذَّاتٌ رُوحَانِيَّةٌ وَمَعَانٍ بَاطِنَةٌ". (صـ٢٥١).

ترجمہ: "اسی طرح جو شخص جنّت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو، وہ بھی باجماعِ امت کافر ہے؛ کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے، اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحتِ نقل پر اجماع کیا ہے، اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنّت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و عقاب کے مراد و معنی اس کے ظاہری معنی کے سِوا کچھ اور ہیں، یعنی کہے کہ اس سے مراد لذّاتِ روحانیہ اور معانئ باطنیہ ہیں"۔

(٢٠) "وَكَذَلِكَ نَقْطَعُ بِتكْفِيرِ غُلَاةِ الرَّافِضَةِ فِي قَوْلِهِمْ: إِنَّ الْأَئِمَّةَ أَفْضَلُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ".

ترجمہ: "اسی طرح ہم اُن غالی روافض کی تکفیر پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آئمۂ اہلِ بیت رحمہم اللہ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل کہتے ہیں"۔

ہاں اگر کوئی امرِ متواتر تو ہو، مگر اس کے انکار کی وجہ سے شریعت کا بُطلان لازم نہیں آتا، تو اس کا منکر کافر نہیں، "فَأَمَّا مَنْ أَنْكَرَ مَا عُرِفَ بِالتَّوَاتُرِ مِنَ الْأَخْبَارِ والسِيَرِ والبلادِ لا يرجع إلى إبطال شريعة ولا يفضي إِلَى إِنْكَارِ قَاعِدَةٍ مِنَ الدِّينِ كَإِنْكَارِ غَزْوَةِ تَبُوكٍ أَوْ مُؤْتَةَ أَوْ وُجُودِ أَبِي بَكْرٍ وعمر أو قتل عثمان أو خلافة عَلِيٍّ مِمَّا عُلِمَ بِالنَّقْلِ ضَرُورَةً وَلَيْسَ فِي إِنْكَارِهِ جَحْدُ شَرِيعَةٍ فَلَا سَبِيلَ إِلَى تَكْفِيرِهِ بِجَحْدِ ذَلِكَ وَإِنْكَارِ وُقُوعِ الْعِلْمِ لَهُ إِذْ ليس في ذلك أكثرمِنَ المبَاهَتَةِ.....فَأَمَّا إِنْ ضَعَّفَ ذَلِكَ مِنْ أَجْلِ تُهْمَةِ النَّاقِلِينَ وَوَهَّمَ المسْلِمِينَ أَجْمَعَ فَنُكَفِّرُهُ بِذَلِكَ لِسَرَيَانِهِ إِلَى إِبْطَالِ الشَّرِيعَةِ". (صـ٢٥١).

ترجمہ: "اب رہا وہ شخص جو ان اَخبار وسیر اور بلادِ معروفہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں، اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بُطلان لازم آتا ہے، اور نہ کسی قاعدۂ اسلام کا انکار، جیسے غزوۂ تبوک یا غزوۂ موتہ وغیرہ کا انکار، یا سیّدنا ابو بکر، سیّدنا عمر کے وجود، اور سیّدنا عثمانِ غنی کی شہادت، یا خلافتِ علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہم کا انکار کرے، جن کا علم بداہۃً بطورِ نقل حاصل ہے، اور اس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا، لہٰذا اس کے انکار سے اور اس کے حصولِ علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ملتی؛ کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے اِفتراء وبہتان باندھا، اب اگر اس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جانا ہے، تو ہم اس کی تکفیر کا حکم کریں گے؛ کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے اِبطال کی جانب مفضِی ہوگا"۔

اِجماع کے انکار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

(٢١) "فَأَمَّا مَنْ أَنْكَرَ الْإِجْمَاعَ المجَرَّدَ الَّذِي لَيْسَ طَرِيقُهُ النَّقْلَ المتَوَاتِرَ عَنِ الشَّارِعِ فَأَكْثَرُ المتَكَلِّمِينَ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالنُّظَّارِ فِي هَذَا الْبَابِ قَالُوا بِتَكْفِيرِ كُلِّ مَنْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ الصَّحِيحَ الْجَامِعَ لشروط الإجماع المتفق عليه عموماً وَحُجَّتُهُمْ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى﴾... الْآيَةَ، وَقَوْلُهُ ﷺ: «مَنْ خَالَفَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ» وَحَكُوا الْإِجْمَاعَ عَلَى تَكْفِيرِ من خالف الإجماع وذهب آخرون إلى الوقف عَنِ الْقَطْعِ بِتَكْفِيرِ مَنْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ الَّذِي يَخْتَصُّ بِنَقْلِهِ الْعُلَمَاءُ وَذَهَبَ آخَرُونَ إِلَى التَّوَقُّفِ فِي تَكْفِيرِ مَنْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ الْكَائِنَ عَنْ نَظَرٍ كَتَكْفِيرِ النَّظَّامِ بِإِنْكَارِهِ الْإِجْمَاعَ لِأَنَّهُ بِقَوْلِهِ هَذَا مُخَالِفٌ إِجْمَاعَ السَّلَفِ عَلَى احْتِجَاجِهِمْ بِهِ خَارِقٌ لِلْإِجْمَاعِ". (صـ٢٥١، ٢٥٢).

ترجمہ: "اب رہاوہ شخص جو مجرّد اِجماعِ صحیح اور جامعِ شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے، ان کا استدلال اللہ ﷻ کے اس ارشاد سے ہے کہ: جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق اس پر کھل چکا، اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: "جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی بلا شبہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار پھینکا"، نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اِجماع نقل کیا ہے جو اِجماع کی مخالفت کرے، اور دیگر علماء قطعی تکفیر سے توقف کی طرف گئے ہیں، اس شخص کے بارے میں جو ایسے اِجماع کا مخالف ہو، جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو (یعنی علماء کے سِوا کوئی اور اس کا قائل نہ ہو)، اور دوسرے لوگوں کا مَیلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اِجماع کا منکر تھا؛ کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اِجماعِ سَلَف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطورِ خرقِ دلیل واقع ہوا تھا"۔

"شفاء شریف" کی مذکورہ بالا عبارات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اکابرِ دیابنہ میں گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی کا کفر مذکورہ بالا عبارت میں سے ساتویں صورت کی خلاف ورزی پر، جبکہ نانوتوی کا کفر نویں صورت کے انکار پر مشتمل ہے۔

اب مولانا فیض رسول صاحب کی بحث کی رُو سے ان چاروں اکابرِ دیابنہ، بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی، بلکہ دنیا کے کسی بھی کافر کے کفر کے فتوی کی تصدیق ممکن نہیں؛ کیونکہ ان کے مطابق صغریٰ مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظنّی رہے گا، لہذا اس سے جو نتیجہ حاصل ہوگا وہ بھی ظنّی ہوگا، لہذا ان چاروں کی تکفیر کا انکار کرنے والا، یا ان کے کفر میں توقف یا شک کرنے والا کافر نہیں ہوگا، والعیاذ باللہ! مولانا صغریٰ و کبریٰ کے چکر میں ایسے پھنسے کہ بے چاری بداہت کو بھی بھول گئے، حالانکہ منطق کی ابتدائی کتاب "مرقات" میں بداہت کی تعریف اور اس کی ساتوں اقسام: اولیات، مشاہدات، وِجدانیات، فطریات، حدسیات، تجربیات اور متواترات درج ہیں، اگر مولانا صغری و کبری کے چکر سے نکل کر کچھ توجہ بے چاری بداہت کو بھی دیدیتے تو نا صرف اکابرِ دیابنہ کا کفر، بلکہ اس کا انکار کرنے والے یا شک کرنے والے کا کفر بھی بدیہی ہو جاتا، مگر صغری و کبری نے انہیں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا!۔

مقدّمات کی ترتیب سے بدیہی وضروری علم بھی حاصل ہو سکتا ہے

مولانا فیض رسول صاحب نے اپنے سوالات کے صفحہ نمبر ۱۲ پر لکھا کہ: "ذرا تھوڑا سا غور فرمائیں کہ اگر ہم ضروریاتِ دین کی تعریف میں اختلاف کو، یا اس کے منکر کی تکفیر میں اضافی قیودات کے اختلاف کو نظر انداز کر کے اس قضیہ: "ہر شخص جو ضروریاتِ دین کا منکر ہو وہ کافر ہے" کو قطعی مان لیں، تو دلیلِ تکفیر اس طرح ترتیب پائے گی: "زید ضروریاتِ دین (مثلاً: نماز) کا منکر ہے"، "ہر شخص جو ضروریاتِ دین کا منکر ہو وہ کافر ہے"، "زید کافر ہے"، اب بندہ آپ سے عرض کرتا ہے کہ: مہربانی فرما کر ذرا یہ بتائیں کہ جب علمائے کِرام کسی شخصِ معیّن کی تکفیر میں اختلاف کرتے

ہیں تو ان کا یہ اختلاف پہلے مقدّمہ (صغریٰ) میں ہوتا ہے یا کہ دوسرے مقدّمہ (کبریٰ) میں ہوتا ہے؟، یقیناً یہ اختلاف صرف پہلے مقدّمہ میں ہوتا ہے، اور یہ بات بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ پہلا مقدّمہ آپ کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہر گز کبھی بھی قطعیت کو نہیں پہنچ سکتا، چہ جائیکہ وہ ضرورتِ دینی بن جائے؛ کیونکہ اگر پہلا مقدّمہ: (زید کا منکر نماز ہونا) قرآن، حدیث، اِجماعِ قطعی قطعی الدلالات سے ثابت نہ ہو، بلکہ صرف قطعی الدلالہ حدیثِ مشہور، قطعی الدلالہ اِجماعِ مجتہدین سے ثابت ہو، یا قطعی الدلالہ آیت، قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، قطعی الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابہ سے ثابت تو ہو، لیکن تمام عوام وخواص اسے جانتے نہ ہوں، تو اس صورت میں پہلا مقدّمہ: (زید کا منکرِ نماز ہونا) ہر گز ضرورتِ دینی نہیں ہو سکتا، پس معلوم ہوا کہ جب علمائے کِرام تکفیرِ شخصی میں اختلاف کرتے ہیں تو وہ اختلاف ضرورتِ دینی پر مشتمل مقدّمہ میں نہیں ہوتا، بلکہ صرف آپ کے اجتہاد پر مبنی مقدّمہ میں ہوتا ہے، مثلاً: اس بات میں کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ فرضیتِ نماز کا منکر کافر ہے؛ کیونکہ یہ ضرورتِ دینی ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ "زید فرضیتِ نماز کا منکر ہے"؛ کیونکہ زَید کا فرضیتِ نماز کا منکر ہونا نہ تو قرآن، حدیثِ متواتر، اِجماعِ قطعی قطعیُ الدلالات سے ثابت ہے، اور نہ ہی عرب و عجم کے تمام علماء اور ان کے صحبت یافتہ مسلمان زَید کے منکرِ نماز ہونے کو جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو نہ تو زَید کے منکرِ نماز ہونے کا علم حاصل کرنا فرض ہے، اور نہ ہی اس کا اعتقاد رکھنا فرض ہے، اگر بالفرض اس کو ضرورتِ دینی قرار دیا جائے تو پھر دنیا بھر کے وہ تمام مسلمانانِ عرب و عجم جو اس ضرورتِ دینی کا علم نہیں رکھتے، وہ سب فاسق اور گناہ گار ٹھہریں گے؛ کیونکہ ہر ضرورتِ دینی کا علم حاصل کرنا اور اعتقاد رکھنا فرض ہے، نیز اگر عرب و عجم کا کوئی مسلمان زَید کے منکرِ نماز ہونے کا انکار کر بیٹھے تو کافر قرار پائے گا؛ کیونکہ ضرورتِ دینی سے جہالت عذر نہیں، پس معلوم ہوا کہ یہاں حکم (ضرورتِ دینی، فرض، واجب وغیرہ) کے اعتبار سے جو درجہ

صغریٰ کا ہوگا وہی درجہ نتیجے کا ہوگا، اسی طرح اس کے بر عکس جو درجہ نتیجے کا ہوگا وہی درجہ صغریٰ کا ہوگا"۔

جواب

اوّلاً: مذکورہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ بتارہے ہیں کہ مولانا فیض رسول صاحب نے صغریٰ سے زبردست دھوکا کھایا، اسی وجہ سے اپنی پوری تحریر میں بار بار یہی تکرار کی ہے کہ صغریٰ مجتہد کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظنّی ہے لہذا نتیجہ بھی ظنّی نکلے گا، مولانا کی یہ بات دیگر معاملات میں تو درست ہو سکتی ہے، مگر جب التزامِ کفر کا مسئلہ ہو تو یہ بات قطعاً غلط ہے؛ کیونکہ التزامِ کفر ہمیشہ صریح متعین کلمہ میں ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ: التزامِ کفر ہمیشہ ضرورتِ دینی کے انکار یا اس میں توقف کی وجہ سے ہوتا ہے، اور صریح متعین کلمہ کفر میں ضرورتِ دینی کی نقیض اتنی واضح ہوتی ہے کہ بغیر ترتیبِ مقدّمات اوّل توجہ سے سمجھ میں آ جاتی ہے، اور جو بات اوّل توجہ سے حاصل ہو وہ بدیہیات سے ہوتی ہے، اور بدیہیات وہ ہوتی ہیں جن میں نظر وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی، اور یہ قضایا قیاستُها معها کے قبیل سے ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی کسی کو بدیہی بات سمجھانے کے لئے مقدّمات کو ترتیب دیدے، تو اس سے وہ بدیہی بات غیر بدیہی نہیں ہو جاتی، مثلاً: کہا جائے کہ: "الأربعةُ منقسمٌ بمتساويَين، وكلُّ منقسمٍ بمتساويَين زوجٌ؛ فالأربعةُ زوجٌ"، لہذا اس مثال سے "الأربعة زوج" غیر بدیہی نہیں ہو جائے گا۔

علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین فرماتے ہیں: "(أنّ وجودَ صورةِ الترتيب لا يُوجِب الاحتياجَ إليه؛ فإنّها ممكنةٌ في كلّ ضروريٍّ، مثلاً: الأربعةُ زوجٌ)؛ فإنّه يمكن فيه أن يقالَ: إنّه منقسمٌ بمتساويَين، وكلّ منقسمٍ بمتساويَين زوجٌ".

("فواتح الرحموت"، ۲/ ۱۱۵، مطبوعہ: مکتبۃ التراث الاسلامیہ ملتان).

ترجمہ: "(ترتیبِ مقدّمات کی صورت کا وجود اس کی طرف احتیاج کو ثابت نہیں کرتا؛ کیونکہ ایسا تو ہر بدیہی میں ہو سکتا ہے، مثلاً: چار جفت عدد ہے)، توبلاشبہ اس میں یہ کہنا ممکن ہے کہ: چار دو مساوی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے، اور جو دو متساویین میں تقسیم ہو وہ جفت ہوتا ہے، (لہذا چار جفت ہے)"۔

اسی طرح جب بھی کسی ضرورتِ دینی کا انکار ہوگا تو اس کا لازم نفیٔ ایمان ہوگا، البتہ اس باب میں مفتی کا مقدّمات ترتیب دینا اسے مجتهد فيه نہیں بنادے گا، مثلاً: مرزا قادیانی کا دعویٔ نبوت کہ: "میں ظلی نبی ہوں"، اس کا لازم یہی ہوگا کہ: "نبینا محمد ﷺ آخری نبی نہیں ہیں"، اور یہ لازم ضرورتِ دینی "خاتم النبیین" کی نقیض ہے، یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ بغیر ترتیبِ مقدّمات اوّل توجہ سے سمجھ آ جاتی ہے، لہذا اگر کوئی مفتی اسی بات کو مقدّمات کی ترتیب سے بیان کر دے تو کیا یہ بدیہی سے نظری یا اجتہادی میں تبدیل ہو جائے گی؟!، نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ ترتیبِ مقدّمات تو اس بیانِ کفر کے لئے ہے، جو اوّل توجہ سے سمجھ آ گیا تھا، لہذا التزامِ کفر کی صورت میں مفتی کا مقدّمات کو ترتیب دے کر کفر کا فتویٰ صادر کرنا اس شخص کے کفر کو ظنّی نہیں کرے گا، اب مولانا فیض رسول صاحب غور کریں کہ صغریٰ نے انہیں کیسا دھوکا دیا...؟!۔

ثانیاً: مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مولانا فیض رسول صاحب کے نزدیک ہر نظری مقدّمات کا نتیجہ بھی ہمیشہ نظری یعنی ظنّی ہوتا ہے، حالانکہ یہ بات اپنے اِطلاق پر درست نہیں؛ کیونکہ بعض اوقات نظری سے علمِ یقینی وبدیہی بھی حاصل ہوتا ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نظر صحیح ہو، اور اپنی شرائط کے ساتھ پائی جائے، جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "والنظري قد يثبت بنظرٍ مخصوصٍ لا يعبر عنه بالنظر، كما يقال: قولنا: "العالمُ متغيّرٌ، وكلّ متغيِّرٍحادثٌ"، يفيد العلمَ بالضرورة، وليس ذلك

لخصوصية هذا النظر، بل لكونه صحيحاً مقروناً بشرائطه، فيكون كلّ نظرٍ صحيحٍ مقرونٍ بشرائطه مفيداً للعلم".

("شرح العقائد النسفية"، صـ٧٠، مكتبة دار البيروتي).

ترجمہ: "نظری کبھی مخصوص نظر سے ثابت ہوتا ہے، مگر اسے نظری سے تعبیر نہیں کیا جاتا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہمارا قول: "عالم متغیر ہے،اور ہر متغیر حادث ہے" علمِ ضروری (بدیہی) کا فائدہ دیتا ہے،اور یہ صرف اسی نظر کی خصوصیت نہیں، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ وہ نظر درست ہے،اور اپنی شرائط کے ساتھ مقرون ہے،تو ہر نظرِ صحیح جو اپنی شرائط کے ساتھ ملی ہو وہ علم کا فائدہ دیتی ہے"۔

"شرح عقائد نسفیہ" کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ فکر واستدلال پر مبنی ہر نتیجہ کو ظنّی قرار دینا مولانا فیض رسول صاحب کی واضح غلطی ہے، لہذا یہ کہنا کہ: "صغریٰ چونکہ مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہے،اس لئے ظنّی ہے" سَراسر غلط ہے، مثلاً: اگر زَید اپنے کفر کا اقرار کرے، اور مفتی سے پوچھے کہ: "میرے بارے میں کیا حکم ہے؟"، تو ظاہر ہے کہ مفتی کہے گا کہ: "تم نے اپنے کفر کا اقرار کیا ہے،اور کفر کا اقرار کفر ہے، لہذا تم کافر ہو"، تو اس مذکورہ مثال میں صغریٰ کیسے ظنّی ہو جائے گا، وہ تو خود قائل کے اقرار سے ثابت ہے، یونہی نانوتوی کا یہ کہنا کہ: "بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور رہتا ہے"، یا یہ قول کہ: "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو، پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"، اگر کوئی مفتی ان عبارات یا کسی ایک کو دیکھ کر کہے کہ: "قائل نے ختمِ زمانی کا انکار کیا ہے"، تو اس میں کون سا اجتہاد آگیا؟!؛ کیونکہ ان عبارات میں سے ہر ایک میں ختمِ زمانی کا انکار اتنا بدیہی ہے کہ پہلی بار ہی دیکھنے سے پتا چل جاتا ہے کہ قائل ختمِ زمانی کا منکر ہے، اب اگر مفتی کہے کہ: "نانوتوی نے اس عبارت میں ختمِ زمانی کا انکار کیا ہے"، تو اس میں اجتہاد

کہاں سے آگیا؟!، لہذا اس مقدّمہ کو نظری یا ظنّی کہنا یا تو عناد کی وجہ سے ہے، یا قصورِ فہم کی وجہ سے، اور یہ امر تو واضح ہے کہ معاند کا عناد کسی بدیہی کو نظری نہیں کر سکتا، اسی طرح قصورِ فہم کی وجہ سے بھی بدیہی امر نظری نہیں بن جاتا، جیسا کہ علامہ محمد عبد العزیز پُرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والضروري قد يقع فيه خلافٌ إمّا لعنادٍ وهو انكارُ الحق عمداً لرد الخصم، أو لقصورٍ في الإدراك، أي: في تصوّر طرفَي القضية، فالحاصل: أنّ قولنا: "كلُّ نظرٍ صحيحٍ مفيدٌ للعلم" قضيةٌ بديهية، ولكن وقع الاختلافُ فيها لعنادكم أو قصور عقلكم، وهذا الخلافُ لا ينافي البديهةَ". ("النبراس" صـ٦٦ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ).

ترجمہ: "بدیہی میں بھی کبھی اختلاف واقع ہو جاتاہے، یا عناد کی وجہ سے (اور وہ خصم کے رد کے لئے حق کا انکار کرنا ہے)، یا سمجھ میں کمی کی وجہ سے، یعنی قضیہ کے اطراف کے تصوّر میں، چنانچہ حاصلِ بحث یہ ہے کہ ہمارا قول: "ہر نظرِ صحیح علم کا فائدہ دیتی ہے" قضیہ بدیہی ہے، لیکن تمہارے عناد یا عقل کی کمی کی وجہ سے اس میں اختلاف واقع ہو گیا، اور یہ اختلاف بداہت کی نفی نہیں کر سکتا"۔

لہذا مولانا فیض رسول صاحب کا موقف فاسد پر مبنی ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، اور جہاں تک مولانا کا یہ کہنا ہے کہ: "کوئی امر اس وقت تک قطعی نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآن، حدیث، اِجماع قطعی قطعیُ الدلالات سے ثابت نہ ہو" یہ بھی علی الاِطلاق درست نہیں، جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کی وضاحت آئے گی، بہر حال مولانا کی وضاحت کے لئے مزید عرض کر دوں کہ جو شخص کسی مفتی کے فتویٰ تکفیرِ شخصی کو دیکھے گا تو ممکن ہے اسے تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آئے: (۱) یا تو اسے قائل کے کلام میں کوئی تاویل نظر آئے، (۲) یا اسے شک ہو کہ یہ بات ان لوگوں نے کہی بھی ہے یا نہیں، (۳) یا ممکن ہے کہ ان لوگوں نے توبہ کر لی ہو۔

ہاں اگر ایسا کوئی احتمال ہو تو مانعِ تکفیرِ شخصی ہوگا، جیسا کہ شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اصل بات یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں: (۱)کلام، (۲) تکلم، (۳)متکلم، ان میں سے جس کسی میں احتمال پیدا ہوگا، مانعِ تکفیرِ شخصی ہوگا، کلام میں تو یوں کہ وہ اگرچہ کھلا ہوا کلمہ کفر ہو اسمیں کوئی تاویلِ قریب نہ نکلتی ہو مگر تاویلِ بعید ہو، تو قول کو کفر کہا جائے گا لیکن قائل کو کافر کہنے سے محققین فقہاء اور حضراتِ متکلمین احتیاط فرمائیں گے؛ کیونکہ ممکن ہے قائل نے وہی تاویلِ بعید مراد لی ہو، تکلم میں یوں کہ کلام تو کھلا ہوا نا قابل توجیہ و تاویل کفر صریح ہو، مگر اس بات کا قطعی یقینی ثبوت نہ ہو کہ وہ کلام اسی قائل کا ہے، تو کلام اگرچہ قطعی کفر ہوگا مگر اس شخص کو کافر نہیں کہیں گے، متکلم میں یوں کہ قول تو ایسا کفر صریح ہو جس میں تاویلِ بعید بھی متعذر ہو مگر قائل کی اس قول سے توبہ مسموع ہو پھر اس توبہ کا ثبوتِ شرعی متحقق ہو جائے تو اس قائل کی تکفیر حرام بلکہ عند الفقہاء خود کفر ہوگی، اور اگر اس کا ثبوت شرعی نہ ہو مگر شہرت ہو تو کیف و قیل کی بنا پر اس قول کو قطعی یقینی کفر کہیں گے، لیکن اس قائل کو کافر کہنے سے احتیاط برتیں گے"۔

("مبلغ وہابیہ کا گریز" بحوالہ "کفریات بابائے وہابیہ" صفحہ ۲۱، ۲۲)

مگر حق یہ ہے کہ اکابرِ دیابنہ کے کلام میں یہ تینوں ہی باتیں نہیں پائی جاتیں، ان لوگوں نے آج تک کوئی درست تاویل پیش نہیں کی بلکہ جو تاویلات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہیں وہ خود بعض دیابنہ کے نزدیک کفر ہیں اور ان کفریات کی ان اکابر دیابنہ کی طرف نسبت میں بھی کوئی شک نہیں، بلکہ آج تک جُوں کی تُوں چھاپی جارہی ہیں، نیز ان لوگوں کی توبہ بھی مسموع نہیں، بلکہ اپنی زندگی میں ان ناپاک عبارات کے لکھنے والے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے متبعین ڈھٹائی سے انھیں عبارات پر قائم ہیں، جب تینوں ہی قسم کے احتمالات نہیں پائے جاتے تو صغریٰ ظنی کہاں رہا، لہذا نتیجہ بھی قطعی ہی ہوگا، اسی لئے علمائے حرمین رحمۃ اللہ علیہم نے اکابر دیابنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: "مَن شَكّ في كفره وعذابه فقد كفر".

مولانا صاحب کی تمہید

مولانا کی تمہید سے متعلق چند باتوں کی توجہ دلانا چاہوں گا:

(۱)مولانا نے سوالات کے مقدّمہ میں لکھا کہ: "اگر کوئی شخص جوازِ تحیت میں حضرت سیّدنا محبوبِ الٰہی اوران کے پیرانِ عظام کی پیروی کرے، اس کو سمجھانے کا کیاطریقہ ہے؟"، راقم الحروف کے خیال میں اس کا جواب واضح ہے کہ ایسے شخص کو تعلیم کیاجائیگاکہ سجدۂ تحیت کا جواز جمہور اولیاءواجماعِ فتوی وفقہ وحدیث وقرآن کے خلاف ہے،اور محبوب الٰہی اوران کے پیرانِ عظام سے ایسی بات صادر ہونا بعید ہے جو قرآن وحدیث واولیاء کے برعکس ہو، لہذا ان روایات ہی کو مردود قرار دیاجائے۔

(۲)دوسرا سوال بے نمازی پر کفر کے فتوی کا انکار کرنے والے کی تکفیر سے متعلق ہے، تو اسے بھی یہی بات سمجھائی جائیگی کہ اس مسئلہ میں صحابۂ کرام کا اختلاف رہاہے، اور یہ مسئلہ قطعی واجماعی نہیں، لہذا تمہارے فتویٰ کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوسکتا۔

(۳)مقدمہ ہی میں تیسرا سوال منصور حلاّج رحمۃاللہ علیہ کے قتل کے فتوی سے متعلق یوں لکھاکہ: "اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ مدّعیٔ اُلوہیت کے کافر ہونے میں ذرہ برابر شک کرنے والا بھی کافر ہے،اس لئے جو شخص قاضی القضاۃ ابوعمر مالکی اور علمائے بغداد کے اِجماعی فتوی میں شک کرے وہ کافر ہے،اوراس میں شدت اختیار کرتے ہوئےاس کے ہر منکر کی تکفیرِ شخصی شروع کردے، تواس کی اصلاح کا کیاطریقہ ہے؟،اس کا جواب بھی واضح ہے کہ **اوّلاً** تو منصور نے یہ کلمات کہے ہی نہیں، بلکہ وہ کہتے تھے: "أنا لأَحَقّ" یعنی میں زیادہ حقدار ہوں، "فتاوی رضویہ شریف" میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ **ثانیاً**: منصور رحمۃاللہ علیہ نے یہ کلمات سکر کی حالت میں کہے تھے اور جب حالتِ صحو میں آئے توان کا انکار فرمایا۔**ثالثاً**:انھوں نے توبہ کرلی تھی جیسا کہ آپ نے خود لکھا، بہر حال تینوں صورتوں میں تکفیر نہیں، یہی وجہ تھی کہ خود قاضی ابو مالکی نے اپنے فتوی سے متعلق "مَن

شَكّ في كفره وعذابه" کا قول نہیں کیا، جب خود مفتی یہ قول نہیں کر رہا تو دوسرا کیسے یہ قول کر سکتا ہے...؟!۔

(۴) چوتھا سوال معوّذتَین کے حوالے سے لکھا کہ: "اب اگر کوئی شخص "المجموع شرح المهذَّب"، ۳/ ۳۹٦ میں امام نووی کی اس عبارت: "أجمع المسلمون على أنّ المعوّذتَين والفاتحة وسائر السُّور المكتوبة في المصحف قرآن، وأنّ مَن جحد شيئاً منه كفر، وما نقل عن ابن مسعود في الفاتحة والمعوّذتَين باطلٌ، ليس بصحيحٍ عنه" کی بنا پر کہے کہ: جن فقہاء نے معوّذتَین کے قرآن ہونے کے انکار پر تکفیر نہیں کی وہ کافر ہیں، اسی طرح آج تک جس جس نے "عالمگیری" کا مذکورہ بالا جزئیہ پڑھا یا سنا اور اس نے منکرِ معوّذتَین کی تکفیر نہیں کی وہ بھی کافر ہے، تو اس صورت میں اسے سمجھانے کا کیا طریقہ ہے؟"، ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں بھی اسے سمجھایا جائے گا کہ جن لوگوں نے سیّدنا ابن مسعود سے متعلق باطل روایت کی وجہ سے اس کا انکار کیا تو ان کی تکفیر نہیں کی جائیگی، جیسا کہ خود امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے "عالمگیری" کی اسی عبارت کے حاشیہ میں لکھا کہ: "وهاهنا قولٌ ثالثٌ وهو: أنّه إن كان عالماً لا يكفر، وإن كان جاهلاً لا خبرةَ له بالخلاف يكفر، قيل: وهذا هو الذي يميل القلبُ إليه".

("التعليقات الرضوية على الفتاوى الهندية"، صـ٥٨ مطبوعہ: صدیقی پبلشرز)

ہاں البتہ کسی کے سامنے یہ بات آجائے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف اس کی نسبت مردود ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس بات پر اڑا رہے تو پھر وہ بھی کافر ہے، لیکن یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں مطلقاً تکفیر ہی کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں: بحمد الله (مجھ پر) یہ ظاہر ہوا بلکہ یہی حق ہے کہ مطلقاً اُس کی تکفیر کی جائے گی؛ کیونکہ بلاشبہ ان دونوں کا قرآنِ کریم سے ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، نیز صدرِ اول میں کسی سے

بھی اس کا انکار منقول نہیں سوائے اس قول کے جو ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے حکایت کیا گیا ہے، باوجود اس کے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور روایات میں ان دونوں کا قرآنِ کریم سے ہونے پر اِجماع مروی ہے، لہذا درست بات یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کرنا اور قرآنِ کریم پر یہ اعتراض کرنا باطل ہے، اور اس قولِ مخالف کے کچھ جوابات امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "إتقان" میں ذکر کئے گئے ہیں، اور تم پر "فواتح الرَّحموت" (کا مطالعہ) لازم ہے کہ اس میں وہ ہے جو اطمینان بخش اور کافی ہے، والحمد لله تعالى. ("التعليقات الرضوية"، صـ٥٨).

امامِ اہلِ سنّت کے اس قول کی تقدیر پر اس کے کفر کے انکاری علماء کے بارے میں اسی قسم کی تاویل کی جائے گی جو خود مولانا فیض رسول صاحب نے اپنی تحریر کے صفحہ نمبر ۳ پر امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھی ہے، وہ عبارت یہ ہے: "یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایتِ محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری وابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شانِ رفیع امامِ اعظم و غوثِ اعظم و شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اثر سمجھیں، نہ ان حضرات سے کہ بوجہِ خطافی الفہم معترض ہوئے اُلجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا، بلکہ اُن اکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درسِ اِدراک نہ پہنچنا، لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور اور معترض علیہم کی شانِ اَرفع واَقدس۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٠/ ٢٠١، رضافاؤنڈیشن لاہور).

پھر اسی مقدمہ کے صفحہ نمبر ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ پر کفرِ منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ اور معوّذتَین کا مسئلہ کفرِ یزید عندالامام احمد اور ایمان ابی طالب کے مختلف فیہ مسئلے کا اضافہ کر دیا، نیز اسماعیل دہلوی کی عدمِ تکفیر سے متعلق فتوی کو نقل کر دیا اور لکھا کہ: "مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ جس شخصِ معیّن

کے کفر کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیثِ متواتر یا اِجماعِ قطعی، قطعی الدلالات واضحۃ الافادات سے نہ ہو، اس کو کافر ماننا ضرورتِ دینی نہیں، اگرچہ آئمہ مجتہدین اور ان کے بے شمار متبعین اس کو کافر مانتے ہوں"۔

مولانا نے جن مسائل سے استشہاد کرتے ہوئے جو مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے ہر گز بھی یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان مسائل سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جن مسائل میں علماء کا اختلاف یا اس میں تاویل کی راہ ہو، اس میں کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی، جیسا کہ منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ، معوّذتَین، کفرِ یزید اور ایمانِ ابی طالب کے مسئلے سے ظاہر ہے کہ ان میں علماء کا اختلاف ابتداء ہی سے رہا ہے، جبکہ اسماعیل دہلوی کے مسئلے میں چونکہ اس کی توبہ مشہور ہو گئی تھی اس لئے امامِ اہلِ سنّت نے کفِ لسان کیا۔

مولانا نے جو نتیجہ نکالا ہے اگر اسے درست مان لیا جائے تو کسی کھلے کافر، نہیں بلکہ خود ہمارے سامنے اپنے کفر کا اقرار کرنے والے کافر کی تکفیر بھی ممکن نہیں؛ کیونکہ اس کے کفر کا ثبوت نہ تو قرآنِ عظیم نہ کسی حدیثِ متواتر نہ اجماعِ قطعی، قطعی الدلالات واضحۃ الافادات سے ہے، امید ہے کہ مولانا اپنے برآمد کئے ہوئے نتیجے میں غور کریں گے!۔

اگر مولانا کہیں کہ ہماری مراد یہ نہیں ہے بلکہ کسی شخص کے تکفیر کے مسئلے کی تصدیق مراد ہے، یعنی "اگر کوئی کسی مفتی کے فتوی کا انکار کرے تو اس سے وہ منکر کافر نہ ہو گا"، ہم مولانا سے سوال کریں گے کہ اگر احتمال کی تینوں راہیں مسدود ہوں، یعنی کلام، تکلم، متکلم میں کوئی تاویل کی راہ نہ ہو تو کیا پھر بھی منکر کافر نہ ہو گا...؟!، اگر اب بھی مولانا کہیں: "ہاں کافر نہ ہو گا" تو ہم کہیں گے کہ برائے کرم فرق بیان کر دیں کہ اگر کوئی آپ کے سامنے کفر کا اقرار کرے اسے کیوں کافر قرار دیں گے؟، اور احتمالات کی راہیں مسدود ہونے کے باوجود تکفیرِ شخصی پر مشتمل درست فتوی کا انکار یا توقف کرنے والا کیوں کافر نہ ہو گا؟، نیز اگر مولانا فیض رسول صاحب کے نزدیک دیوبندی اکابرین کے بارے میں ان تین قسم کے احتمالات میں سے کوئی درست احتمال ممکن ہو تو بیان کریں!۔

نیز یہ بات بھی واضح کر دوں کہ یہاں تاویلِ فاسد کا اعتبار ہر گز نہیں ہوگا، بخلاف خوارج ومعتزلہ کے؛ کہ ان کا کفر مسلمانوں کی تکفیر تک محدود، جبکہ دیوبندی اکابرین کا کفر ذاتِ رسالتِ مآب ﷺ سے متعلق ہے، اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے معاملے میں تو خود ربِ کائنات فرما چکا: ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾، لہذا دیوبندی اکابرین کے کفر میں تاویلِ فاسد کا اعتبار ناقابلِ سماعت وغیر معتبر ہے۔

پھر مولانا نے اپنی تحریر کے صفحہ نمبر ۱۴ پر "بہارِ شریعت" کی عقیدے سے متعلق ایک عبارت: "مسلمان کو مسلمان ماننا ضروریاتِ دین سے ہے" لکھ کر اس کا رَد کیا، اور غیر مقلّدین، معتزلہ اور خوارج کے تکفیرِ مسلمین کا ذکر کر کے بتایا کہ اہلِ سنّت میں سے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی، اور اس کے بعد یہ نتیجہ برآمد کیا کہ: "پس مذکورہ بالا وضاحت سے ثابت ہوا کہ گمراہ فرقوں نے بے شمار مسلمانوں کو کافر اور اسلام سے خارج قرار دیا مگر اس کے باوجود آئمہ مجتہدین نے ان کو کافر نہیں کہا، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے مسلمان ہونے کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ قطعی، قطعی الدلالات واضحۃ الافادات سے نہ ہو، اس کا مسلمان ہونا ضرورتِ دینی نہیں اگرچہ اس کے زمانے کے تمام فقہائے مجتہدین اور آئمہ متکلمین اس کو مسلمان مانتے ہوں"۔

جواب اوّلاً: مولانا نے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو سمجھے بغیر ایک فاسد خیال قائم کیا کہ: "صدر الشریعہ کے نزدیک دنیا کے تمام مسلمانوں کو مسلمان جاننا ضرورتِ دینی ہے، خواہ اسے ان مسلمانوں کا علم ہو یا نہ ہو اور جو نہ مانے وہ کافر ہے"، پھر صدر الشریعہ کی عبارت سے خود ساختہ مفہوم کے رَد کے لئے معتزلہ وخوارج ووہابیہ غیر مقلدین کا ذکر کر دیا، حالانکہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے مراد صرف اتنی ہے کہ: "جب کسی شخص کا مسلمان ہونا معلوم ہو جائے اور اس کے اسلام کی نفی پر کوئی واضح دلیل بھی نہ ہو، تو اب اس کے اسلام کو اسلام جاننا ضرورتِ دینی ہے، اور یہ ضرورتِ دینی کی دوسری قسم ہے، جو علم پر موقوف ہے"۔

ثانیاً: مولانا نے جو نتیجہ برآمد کیا اس کی رُو سے اگر کوئی کسی مسلمان کو بلاتاویل کافر کہے، یا بالفرض خود مولانا فیض رسول کو بلاتاویل کافر کہے، تو اس سے کافر کہنے والے کے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ کیونکہ مولانا کے مسلمان ہونے کا ثبوت قرآنِ عظیم یاحدیثِ متواتر یااِجماعِ قطعی، قطعی الدلالات واضحۃالافادات سے نہیں، لہذا ان کا مسلمان ہونا ضرورتِ دینی نہیں، اگرچہ مولانا کے تمام دوست اَحباب بشمول علمائے کِرام مولانا کو مسلمان جانتے اور مانتے ہوں، مگر راقم الحروف کے خیال میں مولانا فیض رسول کا برآمد کیا ہوا نتیجہ سَراسَر فاسد و باطل ہے؛ کیونکہ عندالفقہاء ظاہر حدیث شریف کے مطابق کسی مسلمان کو بلاتاویل کافر کہنے والا خود کافر ہے، اور عندالمتکلمین بھی بلاتاویل تکفیر کرنے والا بعض احادیث کی روشنی میں کفر کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: آئمہ مجتہدین نے خوارج، معتزلہ وغیر ہم کی تکفیر صرف تاویل کی وجہ سے نہ کی، جیسا کہ علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃاللہ علیہ لکھتے ہیں: "وَإِنَّمَا لَمْ نُكَفِّرْهُمْ لِكَوْنِهِ عَنْ تَأْوِيلٍ وَإِنْ كَانَ بَاطِلاً". ("الدرّ المختار"، ٦/ ٤١٣، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) ترجمہ: "ہم ان کی تکفیر اسی لئے نہیں کرتے کہ وہ تاویل پر مبنی ہے، اگرچہ وہ تاویل باطل ہے"۔

بلکہ اسی عبارت سے متصل وہ الفاظ ہیں جو مولانا فیض رسول کے برآمد کئے گئے نتیجہ کو سَراسَر غلط ثابت کرتے ہیں، وہ الفاظ درج ذیل ہیں: "بِخِلَافِ الْمُسْتَحِلِّ بِلَا تَأْوِيل" ترجمہ: "برخلاف بلاتاویل حلال جاننے والے کے" ("الدرّ"، ٦/ ٤١٤) علامہ ابن عابدین رحمۃاللہ علیہ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "أَيْ: مَنْ يَسْتَحِلُّ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْوَالَهُمْ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِمَّا كَانَ قَطْعِيَّ التَّحْرِيمِ وَلَمْ يَبْنِهِ عَلَى دَلِيلٍ كَمَا بَنَاهُ الْخَوَارِجُ كَمَا مَرَّ؛ لِأَنَّهُ إِذَا بَنَاهُ عَلَى تَأْوِيلِ دَلِيلٍ مِنْ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ كَانَ فِي زَعْمِهِ إِتْبَاعُ الشَّرْعِ لَا مُعَارَضَتُهُ وَمُنَابَذَتُهُ بِخِلَافِ غَيْرِه".

("ردّ المحتار"، ٦/ ٤١٤، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان).

ترجمہ: یعنی جو مسلمانوں کے خون، اموال وغیرہ کو حلال جانتا ہو جو کہ قطعی التحریم ہیں اور اس استحلال کی بنا کسی دلیل پر نہ رکھی، جیسا کہ خوارج نے رکھی تھی جیساکہ گزر چکا ہے؛ کیونکہ اگر وہ استحلال کی بنا کتاب وسنّت کی کسی دلیل کی تاویل پر رکھے تو اس کے گمان میں اتباعِ شریعت ہے، نہ کہ شریعت کا معارضہ یا ٹھکرانا، بخلاف اس کے غیر کے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارات سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ: "مسلمان کی تکفیر کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی" اپنے اِطلاق پر نہیں ہے، بلکہ یہ اسی صورت میں ہے کہ جب اس نے مسلمان کی تکفیر براہِ تاویل کی ہو، لیکن اگر بلا تاویل کرے گا تو خود اسی کی تکفیر کی جائے گی، جیساکہ "بخلاف المستحلّ بلا تأویل" سے ظاہر ہے، یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ خوارج ومعتزلہ یا غیر مقلدین کی عدمِ تکفیر کا ذکر کر کے مولانا فیض رسول کا نکالا ہوا نتیجہ سَراسَر خود ساختہ ہے۔

پھر مولانا اسی صفحہ نمبر ۱۴ میں اپنے خود ساختہ نتیجے کو تقویت دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:
"اسی طرح جس شخصِ معیّن کے مسلمان ہونے یا کافر ہونے پر نصوصِ قرآن وسنّت بھی موجود ہوں اور نصوصِ آئمہ بھی، حتّی کہ اس میں کسی مجتہد کا اختلاف بھی ثابت نہ ہو مثلاً: اسلامِ علی رضی اللہ عنہ اور کفرِ ابی طالب، تو اس صورت میں بھی اس میں شک کرنے والے کو، بلکہ بالتصریح انکار کرنے والے کو کسی مجتہد نے کافر نہیں کہا"۔

ظاہر ہے کہ جب ہمارے فقہاء اصول بیان کر چکے کہ متأول کی تکفیر نہیں کی جائیگی تو اسلامِ علی رضی اللہ عنہ کا انکار کرنے والوں نے تاویل ہی کے ساتھ انکار کیا تھا، اسی لئے ان کی تکفیر نہیں کی گئی، اسی طرح ابو طالب کے مسئلے میں جہاں کفر کا ثبوت قرآن وسنّت سے پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح ان کے ایمان کا ثبوت بھی قرآن وسنّت ہی سے پیش کیا جاتا ہے، لہذا یہ سَلَفِ صالحین ہی میں مختلف فیہ ہوا، اور ایسے مسئلے میں تکفیر کوئی بدھو ہی کریگا، مفتی ہر گز نہیں کر سکتا، مگر ان دونوں مثالوں کو پیش

کر کے اپنا خود ساختہ نتیجہ برآمد کر لینا بھی سَراسَر نقل وعقل کے خلاف ہے جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا۔

پھر مولانا اپنے اصل مدّعا کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تو پھر جس صورت میں دلیلِ کفر یا دلیلِ اسلام کا پہلا مقدّمہ کسی خبرِ واحد سے بھی ثابت نہ ہو، بلکہ وہ صرف کسی مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہو، تو پھر اس دلیل کا نتیجہ ضرورتِ دینی کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

اقول: اس بات کی وضاحت ابتدائی سطور میں کی جا چکی ہے کہ اگر مفتی نے کسی کی تکفیر ضرورتِ دینی کے انکار اور بالخصوص توہینِ نبی کی وجہ سے کی ہو، تو علم ہونے کے بعد، نیز احتمالات کی تینوں صورتیں مفقود ہونے کی صورت میں اس مسئلہ کی تصدیق ضرور لازم ہے، ورنہ اس کا انکار کرنے والا یا توقف کرنے والا خود کافر ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم سے زیادہ علم، تقوی اور کلام آئمہ مجتہدین کو سمجھنے والے محتاطین نے لکھا کہ: "ولهذا نُكَفّر من لم يُكَفّر من دَان بِغَيْر ملّة الْمُسْلِمِين مِن المِلَل أَو وَقَف فِيهِم أَو شَكّ أَو صَحَّح مَذْهَبَهُم وإن أظْهَر مَع ذَلِك الْإِسْلَام وَاعْتَقَدَه وَاعْتَقَد إبْطَال كُلّ مذْهَب سِواه فَهُو كَافِر" ("الشفاء"، الجزء الثاني، صـ٢٤٧) ترجمہ: "لہذا ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں جو ملتِ مسلمین کے سوا کسی اور کو دین بنائے یا ان کے کفر میں توقف یا شک کرے یا ان کے مذہب کی تصحیح کرے، اگرچہ وہ اپنے اسلام کا اظہار کرے، اس کا اعتقاد کرے، اور اسلام کے سِوا ہر مذہب کا اِبطال کرے تو وہ کافر ہے"۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ شَاتِمَهُ كَافِرٌ، وَحُكْمُهُ الْقَتْلُ، وَمَنْ شَكَّ فِي عَذَابِهِ وَكُفْرِهِ كَفَرَ" ("ردّ المحتار"، ٦/ ٣٧٠). ترجمہ: "مسلمانوں کا اِجماع ہے کہ آپ ﷺ کو بُرا کہنے والا کافر ہے، اس کا حکم قتل کیا جانا ہے، اور جو اس کے عذاب وکفر میں شک کرے کافر ہے"۔

اب مولانا سے پھر وہی سوال ہے کہ اگر "فتاوی حسام الحرمین" کے حوالے سے کوئی تاویل صحیح ہو تو پیش کریں!، ورنہ اسی کی پیروی کریں جو ہمارے اکابر علماء نے لکھا کہ: "علم ہونے کے بعد جو ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے"۔

پھر مولانا اسی عبارت سے متصل اپنے فاسد نتیجہ کی تائید میں لکھتے ہیں: "یہی وجہ ہے کہ سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سمیت ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے کسی کی تکفیرِ شخصی کی ہو، اور پھر اس کی تکفیر نہ کرنے والے شخصِ معیّن کو بھی کافر قرار دیا ہو، پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عالم کسی قول کے قائل پر حکمِ تکفیر نہ دے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خود بھی اس قول کو درست مانتا ہے، اس لئے اس پر بھی اصل قائل کا حکم لگا دیا جائے"۔

اقول: مولانا نے غلط لکھا؛ کیونکہ "فتاوی حسام الحرمین" "تکفیرِ شخصی ہی پر مشتمل ہے، نیز خود امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے رشید گنگوہی کی تکفیر نہ کرنے والے کی تکفیر کی، "فتاوی رضویہ شریف" میں ہے: "**مسئلہ:** ایک شخص اپنا شجرہ مجھ سے پڑھنے لگا، اس میں پہلے مولانا وارث حسن کا نام تھا، اس کے بعد رشید احمد گنگوہی کا نام تھا، رشید احمد گنگوہی کا نام پڑھتے ہی میں نے اس شجرہ کو نہیں پڑھا؛ کیونکہ "حسام الحرمین" نے ان کے حال سے اچھی طرح خبر دار کر دیا ہے، مہربانی فرما کر ایک فہرست مطبع اہلِ سنّت وجماعت کی مخصوص اپنے تصنیفات کی مرحمت فرمائی جائے، اور ذیل کے استفتاء پر کرم فرما کر جواب سے مشرف فرمایئے!، مولانا وارث حسن کا کیا مذہب ہے؟۔

الجواب: جب آپ "حسام الحرمین" میں علمائے حرمین شریفین کے متفق علیہ فتویٰ دیکھ چکے تو اس کے بعد اس سوال کی ضرورت نہ رہی، وارث حسن کے مذہب پر فقیر کو اطلاع نہیں نہ کبھی ملاقات، مگر اس قدر ضرور ہے کہ وہ جس کا مرید ہے اسے ولی جانے گا، کم از کم صحیح العقیدہ صالح، یا نہ سہی مسلمان تو جانے گا!، اور حکمِ شرع وہ ہے جو "حسام الحرمین" میں مذکور، واللہ تعالیٰ اعلم"۔

("الفتاوی الرضویة"، ١٤/ ٢٧٨، ٢٧٩).

امامِ اہلِ سنّت مزید لکھتے ہیں: "طوائف مذکورین وہابیہ ونیچریہ وقادیانیہ وغیر مقلدین ودیوبندیہ وچکڑالویہ خذلهم الله تعالى أجمعين ان آیاتِ کریمہ کے مصداق بالیقین اور قطعاً یقیناً کفّار مرتدین ہیں، ان میں ایک آدھ اگرچہ کافر فقہی تھا اور صدہا کفر اس پر لازم تھے جیسے نمبر ۲ والا دہلوی، مگر اب اَتباع واَذناب میں اصلاً کوئی ایسا نہیں جو قطعاً یقیناً اِجماعاً کافر کلامی نہ ہو، ایسا کہ مَن شَكَّ في كفره فقد كفر جو ان کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٤/ ٤٠٢).

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درد مندانہ نصیحت

ذرا مولانا فیضِ رسول صاحب امامِ اہلِ سنّت کی درد مندانہ نصیحت کو غور سے دیکھیں:

"جو اُن کے اقوال پر مطلع ہو کر ان سے محبت رکھے وہ انہیں کی طرح کافر ہے، قال الله تعالى: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ [پ٦، المائدة: ٥١] "تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے وہ بے شک انہیں میں سے ہے اور اس کا حشر انہیں کافروں کے ساتھ ہوگا"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: «من أحبّ قوماً حشره الله في زمرتهم» ["المعجم الكبير"، مسند جندرة بن خيشنة أبو قرصافة الليثي، رقم الحديث: ٢٥١٩، ٣/ ١٩، دارإحياء التراث العربي، بيروت] "جو کسی قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسی قوم کے ساتھ اس کا حشر کرے گا۔ آمين والله تعالى أعلم".

("الفتاوى الرضوية"، ١٤/ ٤٠٣، ٤٠٤).

پھر مولانا نے صفحہ نمبر ۱۵ پر اپنے موقف پر دلائل جمع کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ سے کئے گئے ایک استفتاء اور اس کے جواب کے بعض حصے نقل کئے، اور تاثر یہ دیا کہ جب خود امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم فقیہ ضروریاتِ دین کے منکر کی تکفیر میں استخارہ کر رہے ہیں، سوچ وبچار کر رہے ہیں، کئی دن کتب کی ورق گردانی کر رہے ہیں، تو ایک عام عالم یا مفتی کے لئے کس

طرح ممکن ہے کہ وہ شخصِ معیّن کی تکفیر پر مشتمل فتوی مثلاً: "حسام الحرمین" وغیرہا کتب کی تصدیق کردے، اگروہ اس میں توقف کرتا ہے یا انکار کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مولانا نے استفتاء کے جو سوالات نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں:

"**قولِ اوّل:** اللہ تعالی کے سِوا عالم کے دس خالق اور ہیں۔

قولِ دوم: مادۂ اَجسام قدیم ہے۔

قولِ سوم: صورتِ جسمیہ ونوعیہ قدیم ہیں۔

قولِ چہارم: عقولِ عشرہ ونفوس قدیم ہیں۔

قولِ پنجم: بعض چیزیں خود زیادہ استحقاقِ ایجاد رکھتی ہیں، اگر اللہ تعالی انہیں نہ بنائے تو بخیل ٹھہرے، اور ترجیحِ مرجوح لازم آئے۔

قولِ ششم کی دلیل میں نقل کیا کہ یہ عقولِ عشرہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزّہ ہیں، اور محال ہے کہ تمام عالم میں کوئی ذرہ کسی وقت ان کے علم سے غائب ہو۔

قولِ ہفتم: حدوث وتغیر نہ کوئی شے نابود تھی نہ کبھی نابود ہو، بلکہ جسے ہم کہتے ہیں اب تک نہ تھی وہ فقط پوشیدہ تھی، اور جسے کہتے ہیں اب نہ رہی وہ صرف مخفی ہوگئی، حقیقۃً ہر چیز ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

قولِ ہشتم: میری یہ کتاب نہایت تحقیق کے پایہ پر اور فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے"۔

بلاشبہ مولانا فیض رسول صاحب نے جو سوالات نقل کئے ہیں اُن میں شروع کے چار سوالات میں ضروریاتِ دینی کا انکار اتنا واضح ہے کہ اگر کسی نوآموز مفتی، نہیں بلکہ کسی علماء کی صحبت میں رہنے والے کو بھی دکھایا جائے تو وہ صاف کہہ دیگا کہ: "یہ اقوال کفر ہیں اور ان کا قائل کافر ہے"، پھر سوال یہ ہے کہ اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں فکر میں مبالغہ کیا؟، اور دو دن انھیں سوالات سے متعلق مطالعہ میں گزار دیئے؟۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سے براہِ راست یہ سوالات نہیں پوچھے گئے، بلکہ یہ تو مستفتی نے اصل سوالات کی تلخیص کی ہے، جو حاشیہ میں لکھ دیئے گئے، ورنہ اصل سوالات کیا ہیں، ان میں سے ایک سوال نقل کرتا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ سوالات اتنے سادہ نہ تھے، بلکہ خود قائل کے کلام میں ایسی باتیں پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے حکم لگانے میں دقّت پیش آتی تھی، اور اس بات کا ذکر خود امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رسالے میں بھی کیا، پہلے بطورِ نمونہ ایک سوال نقل کرتا ہوں پھر وہ وجہ نقل کروں گا جس کے سبب امامِ اہلِ سنّت نے حکم لگانے میں تاخیر کی:

قولِ أوّل: التحقيق أنّها ليست الطبائعُ كلُّها مجرّدةً محضةً، لكن للطبائع المرسلة في باب التجرّد والمادّية مراتب -إلى أن قال:- السابعة: مرتبة الماهيات المجرّدة بالكلّية، لا تعلّقَ لها بالمادّة، تعلّق التقويم والحلول أو التبير والتصرّف، ولا تعلّقَ لها إلاّ تعلّق الخلق والإيجاد مثلاً، وهي حقائق المفارقات القدسية كالمعقب القدسي وسائر المعقول العشرة والحقيقة الواجبة، اهـ ملتقطاً من صـ٢٥٠ إلى ٢٥١.

ترجمہ: "تحقیق یہ ہے کہ تمام طبعیتیں مجرّدِ محض نہیں ہیں، لیکن تجرّد وماڈیت کے اعتبار سے طبائع مطلقہ کے کئی مرتبے ہیں (یہاں تک کہ اس نے کہا:) ساتواں مرتبہ ان ماہیتوں کا ہے جو کُلّی طور پر مجرّد ہیں، ان کا مادّہ کے ساتھ تقویم حلول یا تدبیر وتصرّف کا کوئی تعلق نہیں، اور نہ ہی تعلقِ خلق وایجاد کے سوا ان کا کوئی اور تعلق ہے، اور وہ حقائق مفارقاتِ قدسیہ ہیں، جیسے معقب قدسی، عقول عشرہ اور حقیقتِ واجبہ، اھ ملتقطاً، ص۲۵۰تا۲۵۱"۔

دوسرے رسالہ "القول الوسيط" میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں لکھی ہے: "العلّة الواجبةُ هل يجب كونها واجبةَ الوجود أو يمكن كونها ممكنة؟، المشهورُ الثاني فيما بين الحكماء، لكن المحقّقين منهم نصوا أن العلة المؤثرة بالذّات هو الباريءُ، والعقولُ كالوسائط، والشّروطُ لتعلّق التأثير الواجبي بغيرها، كيف والماهيةُ الإمكانية إنّما

وجودُها بالاستعارة عن الواجب، فهو المعطي بالذّات الوجودات؛ فإنّ إعطاءَ المستعير ليس إعطاء حقيقة، وإنّما هو إعطاءٌ من تلقاء المالك، كما أنّ استناد إضاء العالَم إلى القمر ليس حقيقةً بل بحسب الظاهر، وإنّما هو مستندٌ إلى الشمس والقمر واسطة محضة لانتقال ضوئها إلى العالَم، فالمنير بالذّات هي لا هو، فعليّة الممكن للممكن ظاهريةٌ مجازيةٌ، فهذا الوجود الضعيف يصلح علّةً بمعنى الواسطة والشّرط والمتمِّم والآلة لا مفيدة لا وجود حقيقةً، وقد استوفى هذا التحقيق في مقامه، اهـ ملخصاً صـ٢" ("الفتاوى الرضوية"، ٢٧/ ١٠٦-١٠٨).

ترجمہ: "کیا علتِ جاعلہ کا واجب الوجود ہونا واجب ہے؟، یا اس کا ممکن ہونا جائز ہے؟، حکماء میں مشہور قولِ ثانی ہے، لیکن ان میں سے محقّقین نے صراحت کی ہے کہ علّتِ مؤثرہ بالذات فقط باری تعالی ہے، اور عقول تاثیرِ واجبی کے اپنے غیر کے ساتھ متعلق ہونے کے لیے واسطوں اور شرطوں کی طرح ہیں؛ کیوں نہ ہو حالانکہ ماہیتِ ممکنہ کا وجود تو واجب سے مستعار ہے، چنانچہ وجودوں کا بالذات مُعطی واجب الوجود ہی ہے؛ کیونکہ مستعیر کا کسی کو عطا کرنا در حقیقت اس کا عطا کرنا نہیں، بلکہ وہ مالک کی طرف سے عطا کرنا ہے، جیسا کہ عالم کو روشن کرنے کی نسبت چاند کی طرف کرنا حقیقت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، در حقیقت اِضاءتِ عالم سورج کی طرف منسوب ہے، چاند تو اس کی روشنی کو عالم کی طرف منتقل کرنے کا محض واسطہ ہے، لہذا بالذات روشن کرنے والا سورج ہے نہ کہ چاند، چنانچہ ممکن کا ممکن کے لیے علّت ہونا ظاہری ومجازی ہے، تو یہ ضعیف وجود اس معنی میں علّت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ واسطہ، شرط، متمم اور آلہ ہے، نہ کہ حقیقتاً مفیدِ وجود ہے، اس کی پوری تحقیق اپنے مقام پر کر دی گئی ہے، اھ ملخصاً، ص۲۔

مذکورہ بالا سوال سے ظاہر ہے کہ وہ صراحت کے ساتھ دس خالق نہیں بیان کر رہا ہے، بلکہ ایک خالق کی صراحت کر رہا ہے، اور باقی میں تاویلیں کر رہا ہے، انہیں واسطہ یا آلہ قرار دے رہا ہے، اور

اسے چاند کے سورج سے روشن ہونے پر قیاس کر رہا ہے، اسی قسم کی اور دیگر تاویلوں کی وجہ سے امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ نے اس کی تکفیر میں نہایت غور وخوض سے کام لیا، پہلے اس کی باطل تاویلات کا رد فرمایا اور علمائے کِرام کی عبارات کی روشنی میں کفر کو ظاہر فرمایا، پھر اس کی تکفیر پر جزم فرمایا، اور اخیر میں قائل کے عنداللہ کافر ہونے کا بھی فیصلہ سنایا، تاخیر کی وجہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ نے درجِ ذیل الفاظ میں بیان کی ہیں:

"ہمارے بیان سے تجھ پر عیاں ہو گیا کہ اگر زید کے چھوٹے بڑے، کثیر و قلیل تمام اقوال دائرۂ تکفیر اور شدید ترین ہلاکت سے خارج نہیں، ان میں کوئی قیل و قال ایسی نہیں جس کا کفر کی طرف راستہ نہ ہو، لیکن ان کے مواضعِ استعمال مختلف انواع کے ہیں؛ کیونکہ ان کو ایک ہی سانچے پر نہیں بنایا گیا"۔ ("الفتاوی الرضویة"، ۲۷/ ۱۷۵)

پھر اگلے صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں: "اور بعض اقوال ایسے ہیں جن کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن اثنائے کلام کوئی ایسا قرینہ پایا گیا جو اس کو کفرِ صریحی کی حد سے خارج کر دیتا ہے، اور اس کی وجہ سے قائل پر ظاہری کفر کا حکم لگانے میں باہم کشمکش واقع ہو جاتی ہے"۔

("الفتاوی الرضویة"، ۲۷/ ۱۷۷).

ہاں البتہ پہلے چار اقوال سے متعلق فرمایا: "کیونکہ ان میں اس نے ضروریاتِ دین پر تیر اندازی کی، اور یقین کا پھندا اپنی گردن سے اتار پھینکا، اور ایسے غلیظ کلمات و اقوال لایا کہ انہیں کئی سمندر بھی نہیں دھو سکتے، اور نہ ہی حیلے بہانے اس کی موافقت کرتے ہیں"۔

("الفتاوی الرضویة"، ۲۷/ ۱۷۹).

خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس شخص نے ضروریاتِ دین کے انکار میں کچھ باطل حیلے بہانے کئے تھے، جس کے رد میں امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ نے تقریباً تیئس صفحات لکھے، اسی وجہ سے حکم لگانے میں نہایت غور و فکر سے کام لیا، ورنہ جس طرح مولانا فیض رسول صاحب نے صفحہ ۱۵ پر

مستفتی کے ملخص کئے سوالات لکھے، ان میں تو تدبر کی خاص حاجت نہیں تھی، وہ تو بداہۃً ضروریاتِ دین کا انکار ہیں، اور بلاشبہ اتنے واضح کفریات میں شک یا توقف کرنا ضرور کفر ہے، جیسا کہ ابتداء میں امامِ اعظم رحمۃاللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔

نیز امامِ اہلِ سنّت کا یہ فرمانا کہ: "میں نے توقف کیا"، اس سے مراد وہ توقف نہیں جو موجبِ شک ہے اور امامِ اعظم کے نزدیک کفر ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مزید تحقیق کی، جیسا کہ خود امامِ اہلِ سنّت نے اسی تحریر میں ارشاد فرمایا کہ: "دو دن تک کُتب کی ورق گردانی کی"۔

پھر صفحہ نمبر ۱۷ پر مولانا نے "فتاویٰ رضویہ" کی عبارات کی روشنی میں چھ نتائج برآمد کئے، ان میں پہلا نتیجہ تو درست ہے لیکن دوسرے اور تیسرے نتیجے میں یوں لکھا:

"(۲) جس شخص نے اپنے چار اقوال میں صراحۃً ضروریاتِ دین کا انکار کیا، سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃاللہ علیہ نے اس کی تکفیر کے سلسلے میں اوّلاً استخارہ کیا، پھر دو دن کتابوں کی مراجعت اور ورق گردانی میں صرف کیے، پھر ارادہ قلبی کو معتبر مان کر تکفیر کرنے کے سلسلہ میں توقف کو پسند کیا، پھر مزید غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر یہ کلمات برضا و رغبت ان کے کفریہ ہونے کا علم رکھتے ہوئے کہے گئے ہیں (جیسا کہ یہاں ان امور کی موجودگی میں شک نہیں)، تو پھر یہاں تکفیر تو اِجماعی ہے، البتہ اگر یہ کلمات کفر کرنے کے ارادہ و اعتقاد سے نہیں بولے گئے تو اس صورت میں ہمارے اصحابِ حنفیہ کی ایک ضعیف روایت کے مطابق وہ عنداللہ کافر نہیں ہوگا۔

(۳) کسی کی تکفیر کی درستگی کو کما حقہ پہچاننا انتہائی دشوار و مشکل امر ہے، یہی وجہ ہے کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃاللہ علیہ ایک مدّت تک تکفیر کے سلسلہ میں غور و فکر کرتے رہے، حتیٰ کہ استخارہ، کتابوں کی ورق گردانی، توقف اور فکر میں مبالغہ کے بعد واضح ہوا کہ یہاں تکفیر پر اِجماع ہے، نزاع صرف کفر کے اندر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شخصِ معیّن کی تکفیر اس وقت کرنی چاہیے جب وہ

ہر جہت اور ہر پہلو سے واضح ہو جائے، اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے، ورنہ توقف کرنا چاہیے"۔

ان دونوں عبارتوں کو لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ: "ضروریاتِ دین کا انکار خواہ کتنا بدیہی ہو، یا کتنا ہی خفی ہو، بہر حال دونوں صورتوں میں توقف کرنے میں کوئی حرج نہیں"، حالانکہ راقم الحروف نے ابتداء میں امامِ اعظم کا قول لکھا کہ: "اگر کسی مسلمان پر علمِ توحید کے دقائق میں سے کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر فی الحال واجب ہے کہ اِجمالی طور پر اس بات کا اعتقاد کرے جو اللہ کے نزدیک صواب ودرست ہے، یہاں تک کہ کسی عالم کو پائے تو اس سے پوچھے، اور اسے عالم کی جستجو میں تاخیر کا اختیار نہیں، اور وہ اس مسئلہ میں توقف کی وجہ سے، یعنی ان احوال کی معرفت میں تردّد کے سبب اور عالم سے سوال کے ذریعے حق کی تلاش نہ کرنے کے سبب معذور نہیں ہوگا، لہٰذا فی الحال کافر ہو جائے گا، اگر مستقبل میں ٹھیک عقیدہ بیان کرنے میں توقف کرے، اس لئے کہ توقف شک کا موجِب ہے، اور ایسی بات میں شک جس کا اعتقاد کرنا فرض ہے انکار کی طرح ہے، اور اسی لئے علماء نے ہمارے اصحاب میں سے ثلجی کے قول کو باطل کہا جب ثلجی نے کہا اقول: جو بات (قرآن میں آئمہ کے درمیان) متفق علیہ ہے میں اسے مانتا ہوں، اور وہ یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم ہے"۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ عقائد کے اتنے اہم معاملات میں توقف ہرگز جائز نہیں، مولانا فیض رسول صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں بحوالہ "شفاء شریف" قاضی ابو المعالی اور بحوالہ "فتاوی رضویہ" امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہما کے تکفیر کرنے میں توقف کا ذکر کیا ہے، راقم الحروف اس سلسلے میں وضاحت کرے گا کہ قاضی ابو المعالی کے تکفیر میں توقف کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص جس کے بارے میں ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تھا، متأوّلین میں سے تھا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صاحبِ "شفاء" قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو فصل في تحقيق

القول في إكفار المتأوّلين کے تحت لکھا، نیز اس واقعہ کے لکھنے سے پہلے متأوّلین کے چند کفریات لکھ کر فرمایا:

"ولمثل هذا ذهب أبو المعالي رحمه الله في أجوبته لأبي محمّد عبد الحق، وكان سأله عن المسألة فاعتذر له بأنّ الغلط"... إلخ، (یعنی اس قسم کے مؤوِّل (غیر صریح) کفریات کے بارے میں قاضی ابو المعالی نے معذرت کی)...، پھر وہ عبارت ہے کہ جس کا ترجمہ مولانا فیض رسول صاحب نے لکھا ("شفاء"، ج ۲، ص ۲۴۱)، مگر کمالِ ہوشیاری سے اس عبارت کے ابتدائی الفاظ نہ لکھے؛ کیونکہ وہ الفاظ لکھتے تو ان کے اِشکال کا پول کھل جاتا...!۔

اور امامِ اہلِ سنّت نے جو توقف کا ذکر کیا اس کی وجہ ظاہر ہے؛ کہ اس فلسفی کے کفریات اتنے سادہ نہیں تھے جتنے مولانا فیض رسول صاحب نے لکھے، یہی وجہ ہے کہ جب کسی کا کفر بدیہی ہو، یعنی اس میں بلاتاویل کسی ضرورتِ دینی کا انکار کیا گیا ہو، تو پھر اس کے کفر میں شک کرنے والے پر علماء نے کفر کا فتوی دیا، جیسا کہ متعدد فقہائے کِرام نے لکھا جن میں خود قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، امامِ اہلِ سنّت فرماتے ہیں:

"وبالجملة هؤلاء الطوائف السبعُ كلُّهم كفّارٌ مرتدون خارجون عن الإسلام بإجماع المسلمين، وقد قال في "البزّازية"، و"الدرر والغرر"، و"الفتاوى الخيرية"، و"مجمع الأنهُر"، و"درّ المختار"، وغيرها من معتمدات الأسفار، وفي مثل هؤلاء الكفّار: مَن شكّ في كفره وعذابه فقد كفر اهـ، وقال في "الشفاء الشّريف": "نكفّر مَن لم يكفّر مَن دَان بغير ملّة المسلمين من المِلل أو وقف فيهم أو شكّ اهـ، وقال في "البحر الرائق" وغيره: مَن حسّن كلامَ أهل الأهواء أو قال: "معنويٌّ، أو كلامٌ له معنى صحيح"، إن كان ذلك كفرٌ من القائل كفر المحسن اهـ، وقال الإمام ابن حجر

في "الأعلام" في فصل الكفر المتفق عليه بين أئمتنا الأعلام: مَن تلفّظ بلفظ الكفر يكفر، وكلّ مَن استحسنه أو رضي به يكفر اهـ". ("المعتمد المستند"، صـ۲۳۱)

ترجمہ: "مختصر یہ کہ یہ ساتوں طائفے سب کے سب باتفاق مسلمین کافر، مرتد، اسلام سے خارج ہیں، "بزازیہ"، "دُرر"، "غُرر"، "فتاوی خیریہ"، "مجمع الاَنہر"، "درِ مختار" وغیرہ معتبر کتابوں میں ان جیسے کفّار کے بارے میں فرمایا: "جو اِن کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بلاشبہ کافر ہے"، اور "شفاء شریف" میں فرمایا: "ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں جو مسلمانوں کے دین کے سِوا کسی اور دین کے ماننے والے کو کافر نہ جانے، یا اس کے کفر میں توقف کرے یا شک کرے"، اور "بحر الرائق" وغیرہ میں فرمایا: "جو بدمذہبوں کی بات کو اچھا کہے یا یہ کہے کہ: وہ بامعنی کلام ہے، یا یہ کہے کہ: اس کلام کا معنی صحیح ہے، اگر اس قائل کی وہ بات کفریہ ہو تو اچھا کہنے والا کافر ہو جائے گا"، اور امام ابن حجر نے "اِعلام" میں فصل کفر میں فرمایا: "ہمارے ائمہ اَعلام کا متفق علیہ فتوی یہ ہے کہ جو کلمہ کفر بولے وہ کافر ہو جائے گا، اور جو کوئی اسے اچھا جانے یا اس پر راضی رہے وہ بھی کافر ہے"۔"

پھر نتیجہ نمبر تین میں مولانا کا کہنا کہ: "توقف کرنا چاہیے"، تو اس توقف کا حکم کفر کی صورت میں امامِ اعظم نے بیان کر دیا، ہاں توقف سے مراد تحقیق کے لئے کچھ وقت صَرف کرنا ہے تو درست ہے، مگر مولانا کی مراد پہلی ہی صورت ہے، جیسا کہ ان کی پوری تحریر سے ظاہر ہے۔

پھر نتیجے میں یوں لکھا: "اس لئے سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں فرمایا: اگر بالفرض زید فلسفی جمیع علماء کے نزدیک کافر نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ جمہور علمائے امت کے نزدیک کافر ہے"۔

مولانا فیض رسول صاحب نے اس نتیجہ میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر متکلمین کے نزدیک وہ فلسفی عند اللہ کافر نہیں، نہیں بلکہ ایسے منکر ضروریاتِ

دین کے کفر پر اِجماع بھی نہیں، حالانکہ یہ سَراسَر غلط ہے، اگر مولانا صاحب اس رسالے کا پورا مطالعہ کر لیتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ وہ فلسفی امامِ اہلِ سنّت کے نزدیک عند اللہ بھی کافر ہے، بلکہ وہ اِجماعاً کافر ہے، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

"أمّا أنّه هل يكفر بذلك فيما بينه وبين ربّه تبارك وتعالى فقيل: ما لم يعقد الضمير عليه؛ لأنّ التصديق محلُّه القلبُ، وهذه هي الحكاية التي أشرنا إليها وقال عامّةُ العلماء وجمهورُ الأمناء، نعم وإن لم يعقد؛ لأنّه متلاعِبٌ بالدِّين، وهو كفر بيقينٍ، وقد قضى الله تعالى أنّ مثل ذلك لا يقدم عليه إلاّ مَن نزع الله الإيمان من قلبه عوذاً به سبحانه وتعالى قال الله تعالى: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّما كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَآياتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُنَ(٦٥) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمانِكُمْ﴾ [پ١٠، التوبة: ٦٥، ٦٦]، وهذا هو الصّحيح الرّجيح المذيَّل بطراز التصحيح، فهنالك عملتُ في ذلك رسالةً جليلةً وعجالةً جميلةً تشتمل على غرر الفوائد والدرر الفرائد، سمّيتُها: "البارقةُ اللّمعا في سوءِ مَن نطق بكفر طَوعا" ١٣٠٤هـ؛ ليكون العَلَم علماً على التاريخ كرسالتنا هذه التي نحن الآن مفيضون فيها سمّيناها: "مقامع الحديد على خدّ المنطق الجديد" ١٣٠٤هـ، فعليك بها؛ فإنّي حقّقتُ فيها أنّ إكفار الطائع هو الإجماع من دون نزاعٍ، وأقمتُ على ذلك دلائلَ ساطعةً لا ترام وبراهين قاطعةً لا تضام، فسكن الصدرُ، واستقر الأمرُ، وبان الصّواب، وانكشف الحجاب، والحمد لله ربّ العالمين".

ترجمہ: "رہا یہ مسئلہ کہ کیا وہ اس کلمہ کے ساتھ عند اللہ کافر ہو جائے گا یا نہیں، تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں ہو گا جب دلی ارادہ نہ پایا جائے؛ کیونکہ تصدیق کا محل دل ہے، یہی وہ حکایت ہے

جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، جبکہ عام علمائے کِرام اور جمہور امناء نے کہا کہ: وہ کافر ہو جائے گا، اگرچہ دلی طور پر عزم نہ پایا جائے؛ کیونکہ وہ دین کے ساتھ کھیلنے والا ہے، اور یہ یقیناً کفر ہے، بے شک اللہ تعالی نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس جیسے فعل کا ارتکاب صرف وہی کرے گا جس کے دل سے اللہ تعالی ایمان سَلب کر لیتا ہے، اللہ سبحانہ کی پناہ! اللہ تعالی نے فرمایا: "اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ: کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ! تم کافر ہو چکے ہو مسلمان ہونے کے بعد"، اور یہی صحیح اور راجح ہے جو تصحیح کے نقش و نگار سے مزیّن ہے، تو یہاں سے ہی میں نے ایک خوبصورت جلیل القدر رسالہ بنا دیا جو چمکدار فوائد اور بڑے بڑے موتیوں پر مشتمل ہے، میں نے اس کا نام "البارقة اللمعا في سوء مَن نطق بکفر طَوعا" ۱۳۰۴، رکھا؛ تاکہ نام سے رسالہ کی تاریخِ تصنیف کا علم ہو جائے، ہمارے اس رسالے کی طرح جس میں ہم مشغول ہیں، اس کا نام ہم نے "مقامع الحديد على خدّ المنطق الجديد" ۱۳۰۴ رکھا، تم پر اس رسالہ ("البارقة اللمعا") کا مطالعہ لازم ہے؛ کیونکہ میں نے اس میں تحقیق کی ہے کہ برضا و رغبت کفریہ کلمہ بولنے والے کی تکفیر پر اِجماع ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں، میں نے اس پر ایسے بلند دلائل قائم کئے ہیں جنہیں جھکایا نہیں جاسکتا، اور ایسے قطعی براہین قائم کئے جن میں کمی نہیں کی جاسکتی، دل مطمئن معاملہ ثابت، درستگی ظاہر اور حجاب منکشف ہو گیا، والحمد لله ربّ العالمین"۔ ("الفتاوى الرضوية"، ۲۷/ ۱۸۱-۱۸۳)

خط کشیدہ الفاظ سے امام اہلِ سنّت کے موقف اور مولانا فیض رسول کی کوتاہی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے!۔

پھر مولانا فیض رسول صاحب صفحہ ۱۷، نتیجہ نمبر ۵ میں لکھتے ہیں:

(۵) تکفیرِ شخصی ایک ایساپیچیدہ مسئلہ ہے جو مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہوتاہے، اور جس سے کماحقہ آگاہی ہر عالم کو بھی نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ عوام کو ہو؛اس لئے شخصِ معیّن کی تکفیر ضرورتِ دینی نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ ضرورتِ دینی وہ ہے جس کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیثِ متواتر یااِجماعِ قطعی، قطعی الدلالات واضحۃالاِفادات سے ہوتاہے، جس میں نہ شبہ کی گنجائش نہ تاویل کو راہ، اور جو امر واقعۃً ایسا ہو اس میں استخارہ، کتابوں کی ورق گردانی، توقّف اور فکر میں مبالغہ جیسے امور کی نوبت ہر گز نہیں آسکتی، نیز اگر شخصِ معیّن کی تکفیر کو ضرورتِ دینی قرار دے کر اس میں شک کرنے والے کو کافر کہا جائے، تو اس صورت میں کافر ہونے میں ارادہ قلبی کو معتبر ماننے والے علماءاور اصحابِ حنفیہ کی تکفیر لازم آئے گی"۔

یہ بات تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تکفیرِ شخصی ضرورتِ دینی کی قسمِ اوّل سے نہیں، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوئی خُدا اور رسول کی شان میں بکواس کرتا رہے، یااور کسی ضرورتِ دینی کا کھلم کھلا انکار کرتا پھرے تب بھی اس کی تکفیر نہ کی جائے؛ کیونکہ اس سے دین میں وہ فساد لازم آئے گا کہ دین صرف نام کو رہ جائے گا،اور کھلے کافر بھی سچے پکے مسلمان ہو جائیں گے مثلاً: مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ دیگر دجّال اور ان کے متبعین، علماء ومفتیانِ دین کے فتاوی کے روشنی ہی میں کافر قرار دیئے گئے، اب اگر کوئی آپ کی دلیل کے تحت یوں کہے کہ: "قادیانیوں کا کفر مفتی کے فتوی سے ثابت ہے، اور مفتی کا فتوی اس کے اجتہاد پر مبنی ہے، لہذا میرے نزدیک حجت نہیں، اور میں مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہوں"، تو اس کا کیا جواب ہوگا؟، ظاہر ہے کہ اس منکر سے یہی کہا جائے گا کہ تم مفتی کی دلیل کو دیکھو کہ اس نے کس بنیاد پر فتوی دیاہے، اگر اس نے ضرورتِ دینی کے انکار کی وجہ سے فتوی دیاہے تو اس فتوی کو ماننا یا ضرورتِ دینی کے انکار کی وجہ سے قادیانیوں اور ان کے مثل دیگر کفّار کی تکفیر کرنا لازم ہے، ورنہ تم خود کافر ہو؛ کہ تمہارے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں، اور تمہارے نزدیک اسلام وکفر برابر ہیں۔ہاں اگر وہ شخص گزشتہ سطور میں ذکر کردہ تین احتمالات میں کوئی صحیح احتمال پیش کرے تو اس کے شبہ کو دُور کیا جائے گا،اور اگر شبہات ہی نہ پائے جاتے

ہوں یا شبہات کے دُور کرنے کے باوجود وہ شخص توقف کرے تو وہ یقیناً کافر ہے، جیسا کہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَكَذَلِكَ إِنْ أَنْكَرَ مُنْكِرٌ مَكَّةَ، أَوِ الْبَيْتَ، أَوِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ أَوْ صِفَةَ الْحَجِّ أَوْ قَالَ: الْحَجُّ وَاجِبٌ فِي الْقُرْآنِ وَاسْتِقْبَالُ القبلة كذلك، ولكن كونه على هذه الهيئة المتعارفة، وأنّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ هِيَ مَكَّةُ وَالْبَيْتُ وَالْمَسْجِدُ الْحَرَامُ لا أدري هل هِيَ تِلْكَ أَوْ غَيْرُهَا! وَلَعَلَّ النَّاقِلِينَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَسَرَّهَا بِهَذِهِ التفاسير غلطوا ووهموا فهذا ومثله لامرية فِي تَكْفِيرِهِ إِنْ كَانَ مِمَّنْ يُظَنُّ بِهِ علم ذلك، وممن خالط الْمُسْلِمِينَ وَامْتَدَّتْ صُحْبَتُهُ لَهُمْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حديث عهد بالإسلام فَيُقَالُ لَهُ: سَبِيلُكَ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ هَذَا الَّذِي لَمْ تَعْلَمْهُ بَعْدَ كَافَّةِ الْمُسْلِمِينَ، فَلَا تَجِدُ بَيْنَهُمْ خِلَافاً، كَافَّةً عَنْ كَافَّةٍ إِلَى معاصر الرَّسُولِ ﷺ أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ كَمَا قِيلَ لَكَ، وَأَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ هِيَ مَكَّةُ وَالْبَيْتُ الَّذِي فِيهَا هُوَ الْكَعْبَةُ، وَالْقِبْلَةُ الَّتِي صَلَّى لَهَا الرَّسُولُ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ وَحَجُّوا إِلَيْهَا وَطَافُوا بِهَا، وأنّ تلك الأفعال هي صفات عِبَادَةِ الْحَجِّ وَالْمُرَادُ بِهِ وَهِيَ الَّتِي فَعَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ وَأَنَّ صفات الصلوات الْمَذْكُورَةِ هِيَ الَّتِي فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ،وَشَرَحَ مُرَادَ اللهِ بِذَلِكَ، وَأَبَانَ حُدُودَهَا فَيَقَعُ لَكَ الْعِلْمُ كَمَا وَقَعَ لَهُمْ وَلَا تَرْتَابُ بذلك بعد والمرتاب في ذلك والمنكر بعد البحث وصحبة المسلمين كافر باتفاق ولا يُعْذَرُ بِقَوْلِهِ: لَا أَدْرِي ، وَلَا يُصَدَّقُ فِيهِ بَلْ ظَاهِرُهُ التَّسَتُّرُ عَنِ التَّكْذِيبِ، إِذْ لَا يُمْكِنُ أَنَّهُ لَا يَدْرِي".

("الشفاء"، الجزء الثاني، صـ٢٤٩، ٢٥٠).

ترجمہ: "اسی طرح جو شخص مکہ مکرمہ، یا بیت المقدس، یا مسجدِ حرام، یا مناسکِ حج کا انکار کرے، یا کہے کہ: "حج قرآن میں فرض ہے اور استقبالِ قبلہ بھی فرض ہے، لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا، اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے، یا بیت اللہ اور مسجدِ حرام ہے، میں نہیں جانتا کہ آیا یہی ہے

یااس کے سِوا ہیں"، اور کہے کہ: "ممکن ہے کہ ناقلین نے جو یہ نقل کیا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی یہ تفسیر کی ہے، غلطی کی ہو اور وہم ہو گیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے"، سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلاً شک نہیں ہے، اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے، اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست و مصاحبت ہے تو یہ کفر ہو گا، مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیثُ العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)، تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کر لو، تمہیں معلوم ہو جائے گا، ان میں کوئی خلاف نہیں ہے، اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی، جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے، اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے، جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں، اور اسی کا حج و طواف کیا ہے، اور یہی وہ افعال ہیں جو مناسکِ حج میں عبادت ہیں، اور یہی مقصود ہے، اور یہی افعال نبیٔ کریم ﷺ اور مسلمانوں نے کئے ہیں، اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا ہے، اور اللہ ﷻ نے اپنی مراد اسی طرح آپ ﷺ پر واضح فرمائی، اور اس کے حدود آپ ﷺ پر روشن کئے، تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا، اس کے بعد کوئی شک و تردّد باقی نہیں رہے گا، بعد علم و بحث اور بعد صحبت و مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک و تردّد یا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے، اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور نہیں جانا جائے گا، اور اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو"۔

لہذا مولانا فیض رسول صاحب کا یہ کہنا کہ: "تکفیرِ شخصی ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جو مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے، اور جس سے کماحقہ آگاہی ہر عالم کو بھی نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ عوام کو ہو"، اپنے

اِطلاق پر درست نہیں ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ لزومِ کفر کی صورت میں ایسا ہو، لیکن جہاں تک التزامِ کفر کا تعلق ہے، اس میں مولانا کی بیان کی ہوئی تاویل ہر گز نہیں چل سکتی، اور التزامِ کفر ہوتا ہی ضروریاتِ دینی کے انکار کی وجہ سے ہے، اسی طرح "مَن شَكّ في كُفره وعذابِه فقد كَفَر" کا قول بھی التزامِ کفر ہی کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

اور مولانا صاحب کا یہ کہنا: "اور جو امر واقعۃً ایسا ہو اس میں استخارہ، کتابوں کی ورق گردانی، توقف اور فکر میں مبالغہ جیسے امور کی نوبت ہر گز نہیں آسکتی"، تو اس کا جواب ہم گزشتہ سطور میں حوالہ کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ: مولانا فیض رسول صاحب نے سوالات لکھنے میں غلطی کی ہے، ورنہ وہ سوالات اتنے سادہ نہیں تھے، نیز امامِ اہلِ سنّت کا توقف بمعنی تحقیق میں وقت صرف کر کے درست نتیجے تک پہنچنا ہے، نہ کہ کفِ لسان ہی کو موقف بنا کر بیٹھ جانا۔

نیز مولانا کا بار بار یہی تکرار کرنا کہ: "نیز اگر شخصِ معیّن کی تکفیر کو ضرورتِ دینی قرار دے کر اس میں شک کرنے والے کو کافر کہا جائے، تو اس صورت میں کافر ہونے میں ارادہ قلبی کو معتبر ماننے والے علماء اور اصحابِ حنفیہ کی تکفیر لازم آئے گی"، ہر گز درست نہیں، بلکہ خود ان کے فاسد خیالات پر مبنی ہے؛ کیونکہ ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شخصِ معیّن کی تکفیر اسی وقت ضرورتِ دینی ہے جب اس کا ثبوت قطعی الدلالہ و قطعی الثبوت دلائل پر مبنی ہو، لیکن اگر ہمارے زمانے میں بھی کوئی شخص کھلم کھلا بلاتاویل ضروریاتِ دینی کا انکار کرے، تو ہر صاحبِ علم پر اس کی تکفیر کرنا لازم ہے جو اس کے کفریات پر مطلع ہو، ورنہ بصورتِ دیگر تکفیر نہ کرنے والے کے نزدیک ایمان و کفر برابر ہے، نیز یہ کہ اس سے ارادہ قلبی کو معتبر ماننے والوں کی تکفیر لازم نہیں آئے گی؛ کیونکہ اوّلاً: ارادہ قلبی کا موقف ہی درست نہیں، جیسا کہ ہم نے امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا کہ: رضا مندی سے کلماتِ کفر بولنے والے کی تکفیر پر اِجماع ہے، امامِ اہلِ سنّت فرماتے ہیں:

"تم پر اس رسالہ ("البارقۃ اللمعا") کا مطالعہ لازم ہے؛ کیونکہ میں نے اس میں تحقیق کی ہے کہ برضا ورغبت کفریہ کلمہ بولنے والے کی تکفیر پر اِجماع ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں"۔

("الفتاوی الرضویة"، ۲۷/ ۱۸۳)، جب اس پر اجماع ہے تو اس کا غیر کالعدم ہے۔

ثانیاً: ارادہ قلبی کا اعتبار کفر میں ہے، نہ کہ تکفیر میں، یعنی عنداللہ کافر تب ہوگا جب دل سے کفر کا ارادہ کیا، لیکن تکفیر کا تعلق ظاہر سے ہے، اور ظاہراً جس سے التزامِ کفر ثابت ہو اور وہ اسے اپنا موقف بنالے، تو اس کی تکفیر لازم ہے۔

پھر اسی صفحہ نمبر ۱۷، نتیجہ نمبر ۶ میں یوں لکھا:

(۶) "کسی امر کا ضرورتِ دینی ہونا ہرگز کسی مفتی کے فتوی دینے پر موقوف نہیں ہوتا؛ کیونکہ ضروریاتِ دین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ: "وہ دینی قطعی مسائل جن کو خواص وعوام سب جانتے ہوں" اور جو امر واقعۃً ایسا ہو اس کے لئے کسی مفتی سے فتوی پوچھنے کی حاجت نہیں پڑتی، نیز اگر شخصِ معیّن کی تکفیر کو ضرورتِ دینی مانا جائے تو اس کا ضرورتِ دینی ہونا اسی وقت سے ثابت ہوگا جب سے متکلم نے کلمۂ کفر بولا ہو، پھر اس صورت میں ہر مسلمان پر فرض ہوگا کہ جونہی اس کو شخصِ معیّن کے کلمۂ کفر بولنے کا علم ہو تو بلا تردّد فوراً تکفیر کرے، ورنہ شک کرنے کی صورت میں خود کافر ہو جائے گا، حالانکہ یہ بات تو ہر عالم کے بس میں بھی نہیں، چہ جائیکہ ہر عام وخاص کو اس کا مکلَّف ٹھہرایا جائے!، اور اگر یہ کہا جائے کہ تکفیرِ شخصی کا ضرورتِ دینی ہونا مفتی کے فتوی دینے کے بعد متحقق ہوتا ہے، تو اس پر عرض یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کی تعریف کی رُو سے کوئی ایک بھی ایسی ضرورتِ دینی نہیں کہ جس کا تحقق ابھی تک نہ ہو چکا ہو، نیز اس صورت میں لازم آئے گا کہ اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا عالم نہیں جس کو تمام کی تمام ضروریاتِ دین کا علم ہو، حالانکہ ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے کہ وہ بالفعل تمام ضروریاتِ دین کا عالم ہو"۔

اس میں مولانا فیض رسول صاحب نے وہی تکفیرِ شخصی کا ضرورتِ دینی نہ ہونے کا رونا رویا،اور وہی فاسد نتیجہ نکالا کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی، راقم الحروف گزشتہ صفحات میں عرض کر چکاہے کہ شخصِ معیّن کی تکفیر تو ضرورتِ دینی نہیں، ماسوائے ان کے جن کے کفر کا ذکر قرآن وسنّت میں آچکا، مگر اس سے یہ کب ثابت ہوتاہے کہ آئندہ دنیامیں کوئی کافر پیداہی نہیں ہوگا؟!، یا اب ارتداد کا دروازہ بند ہو چکا؟!، یہ بات بدیہی ہے کہ اگر کوئی شخص واضح کفر کرے، یا بکے، یاالتزامِ کفر کرے، یابالفاظِ دیگر بلا تاویل ضروریاتِ دینی کاانکار کرے تووہ کافرہے،اور جو اس کے کفر کو کفر نہ کہے یا نہ سمجھے تو وہ بھی کافر ہے؛کیونکہ بصورتِ دیگر کافر کے کفر کو کفر نہ ماننے کی صورت میں یہی ثابت ہوگا کہ اس کے نزدیک اسلام وکفر برابرہے،اور جس کے نزدیک اسلام وکفر برابر ہوں وہ ضرور کافرہے، اور یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ جو دواور دو کوچار سمجھتاہے وہ اس کاانکار نہیں کرے گا،اِلّا یہ کہ اس پر شیطان چھا جائے،اسی قسم کے بدیہی کفر کے بارے میں امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی شک وشبہ نہیں جس نے بخوشی جان بوجھ کر بقائمی ہوش وحواس کلمۂ کفر بولا وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر کافر ہے،اس میں دو بکریاں سینگ نہیں لڑائیں گی، ہم اُس پر مرتد ہونے کے اَحکام جاری کریں گے"۔ ("الفتاوى الرضوية"، ۲۷/ ۱۸۱).

اور جہاں تک مولانا صاحب کا یہ کہنا کہ: "یہ بات تو ہر عالم کے بس میں نہیں، چہ جائیکہ ہر عام وخاص کواس کامکلَّف ٹھہرایا جائے"، تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کسی کا کفر لزوم پر مبنی ہو،اس میں تاویل کوراہ ہوتی ہے،اس لئے ذہن پریشان ہوجاتے ہیں،لہذامولانا صاحب کا ہر صورت پر یہی حکم چسپاں کر دینا ہر گز درست نہیں؛کیونکہ اگر کفر ضرورتِ دینی کی قسمِ اوّل کے انکار پر مبنی ہو تواس میں خاص وعام کو کوئی تکلیف نہیں؛کہ خاص وعام اس سے واقف ہی ہوتے

ہیں،اور اگر ضرورتِ دینی کی دوسری قسم پر مبنی ہو تو اس کے مکلّف علماء ہی ہیں عوام نہیں، لہذا اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

پھر صفحہ نمبر ۱۸ پر امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ کی "فتاوی رضویہ" سے ایک ایمان افروز عبارت لکھی، جو مسئلۂ تکفیر کی احتیاط کے حوالے سے ہے،اور یہ ایسی عبارت ہے جو ہدایت کے طلب گار کے لئے نہایت مفید ہے، مگر مولانا فیض رسول صاحب کا معاملہ کچھ اور ہی لگتاہے، وہ ہر لفظ ہر عبارت سے اپنے فاسد موقف پر دلائل قائم کرنے پر تُلے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی لئے مولانا صاحب نے اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد کچھ نتائج برآمد کئے، جن میں بعض تو ٹھیک ہیں مگر بعض میں بلاوجہ اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، صفحہ نمبر ۱۹ پر نتیجہ نمبر ۲ میں لکھتے ہیں:

"(۲)علامہ تفتازانی نے جب عقیدۂ توحید کی حجتِ برہانیہ یقینیہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کو حجتِ اِقناعیہ (دلیلِ ظنّی) قرار دیا، تو اس وقت شیخ عبداللطیف نے علامہ تفتازانی اور ان کے موافقین کی تکفیر کا قول کیا،اور اس پر سند یہ بیان کی کہ صاحبِ "تبصرہ" نے آیت میں قدح کی وجہ سے ابوہاشم کی تکفیر فرمائی ہے، جبکہ امامِ ابنِ ہمام رحمۃاللہ علیہ نے علامہ تفتازانی کی تکفیر نہیں فرمائی، علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اِن شاءاللہ یہی (عدمِ تکفیر) حق ہے، اور تکفیر دشوار ہے" ("المعتقد"، ص۔۲۱)،اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات آئمۂ متکلمین کے مابین شخصِ معیّن کی تکفیر میں اختلاف بھی واقع ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ تکفیرِ شخصی ہر گز ضرورتِ دینی نہیں، ورنہ بعض علماء کا ضرورتِ دینی سے جاہل ہونا اور ان میں شک کرنے کی وجہ سے کافر ہونا لازم آئے گا"۔

مذکورہ بالا عبارت میں خط کشیدہ الفاظ میں مولانا صاحب نے یہ تاثر دیا ہے کہ شخصِ معیّن کی تکفیر خواہ کسی قسم کی ہو،اس میں کسی مفتی یا عالم کا متفق ہونا کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ بعض اوقات آئمۂ متکلمین کے مابین بھی شخصِ معیّن کی تکفیر میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے، لہذا اس تاثر کا

نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر کوئی قادیانی یا نانوتوی یا گنگوہی یا انبیٹھوی یا تھانوی کی تکفیر میں اختلاف کرے یا توقف کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اپنے اس خود ساختہ گمراہ کن نتیجہ پر حضرت سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف فیہ تکفیر سے استشہاد کیا، راقم الحروف کے خیال میں قواعدِ اہلِ سنّت کی روشنی میں یہ استدلال سَراسَر باطل ہے؛ اس بطلان کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں بھی اللہ تعالی کی وَحدانیت کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کی تمام تصانیف وحدانیت ہی کو ثابت کرتی ہیں، ہاں البتہ دورانِ بحث انہوں نے آیتِ کریمہ: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا﴾ کو حجتِ اِقناعی قرار دیا، اب اگر اسی حجتِ اِقناعی کی بنیاد پر مقدّمات کو ترتیب دیا جائے گا تو نتیجہ کفر یہ نکلے گا، لہذا یہ لزومِ کفر ہوا نہ کہ التزامِ کفر؛ کیونکہ آیتِ طیّبہ کو حجتِ اِقناعی کہنے میں صراحۃً براہِ راست کسی ضرورتِ دینی کا انکار نہیں پایا جاتا، اسی قسم سے متعلق اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان میں سے بعض ایسے اقوال ہیں جن میں علماء کی آراء باہم مختلف ہیں، ان پر نفسِ کلام سے کفر وارد نہیں ہوتا، مگر اس سے کفر لازم آتا ہے، جیسے ہم نے قولِ ہفتم پر اسے اِلزام دیا کہ اس سے کافر کا کفر کے ساتھ متلبس ہوتے ہوئے ہمیشہ جنّت میں رہنا لازم آتا ہے، یہ ان اقوال میں سے ہے جن پر متبحر آئمۂ کِرام سے کفر کی نفی واِثبات دونوں وارد ہیں، چنانچہ جس نے اس کو کلام کے موجِب سے اِلزام دیا اس نے کافر قرار دے دیا، اور جس نے ایسا نہیں کہا اس نے کافر قرار نہیں دیا، جیسا کہ امام قاضی عیاض کی تصنیف "الشفاء" اور اس کی شرح "نسیم الریاض" میں ہے: "اہلِ سنّت میں سے جس نے اس کے کلام کے مآل کو دیکھا اس نے اسے کافر قرار دے دیا، انہوں نے (تکفیر کرنے والے کے نزدیک) اُس مآل کی تصریح کی جس کی طرف قائلین کا کلام پہنچتا ہے، اور جس نے مآلِ کلام کی بنیاد پر مؤاخذہ کو رَوا نہ سمجھا اس نے ان کی تکفیر نہیں کی؛ (کیونکہ بظاہر معنیٔ ایمان انہیں شامل ہے) اس نے کہا عدمِ تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں مآلِ کلام سے آگاہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس قول سے انکاری ہیں جس کا اِلزام تم نے ہمیں دیا، اور ہم اور تم اُس کو کفر جانتے ہیں،

بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے قول کی جو بنیاد رکھی ہے اُس اعتبار سے ہمارے قول کا مآل وہ نہیں (جو تم نے بتایا)، ان دو ماخذوں کی بنیاد پر لوگوں (یعنی علمائے ملت واہلِ سنّت) میں اہلِ تاویل کی تکفیر میں اختلاف واقع ہوا، اور (محققین کے نزدیک) درست یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے"۔
("الفتاوى الرضوية"، ٢٧/ ١٧٥، ١٧٦).

نیز خود حضرت سعد الملت والدین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے حجتِ اِقناعی کی صورت میں نکلنے والے نتیجہ کا صراحۃً رد موجود ہے، اگر مولانا فیض رسول صاحب "المعتقد" کی اس بحث کو پورا پڑھ لیتے تو یہ گمراہ کن نتیجہ نہ برآمد کرتے، علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واعلم أنّه قد وقع للمولى سعد الدّين في أواخر "شرح العقائد" ما ينافي بظاهره كلامَه في أوائله، ويوافق كلامَ شيخنا؛ فإنّه قال في الكلام على المعجزة ما نصُّه: وعند ظهور المعجزة يحصل الجزمُ بصدقه بطريق جري العادة، بأنّ الله يخلق العلمَ بالصّدق عقيبَ ظهور المعجزة، انتهى. وفي "شرح المواقف" في توحيده تعالى: فيكون هذا عاجزاً فلا يكون إلهاً، هذا خلفٌ، وفيه: فهو عاجزٌ عن بعض الممكنات فلا يصلح إلهاً، ولا يوجد إلهان. ("المعتقد"، صـ٢٢)

ترجمہ: "جان لو کہ مولی سعد الدین کا اواخر "شرح عقائد" میں وہ کلام واقع ہوا جو اپنے ظاہر سے اوائل کتاب میں ان کے کلام کے منافی ہے، اور ہمارے شیخ (ابنِ ہمام) کے کلام کے موافق ہے؛ اس لئے کہ معجزہ پر گفتگو کے دوران انہوں نے کہا جس کی عبارت یوں ہے: اور معجزہ کے ظہور کی صورت میں نبی کے سچے ہونے کا یقین عادت کے جاری ہونے کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس طور پر کہ اللہ ظہورِ معجزہ کے بعد نبی کے سچے ہونے کا علم خلق فرماتا ہے، انتہی۔ "شرح مواقف" میں اللہ تعالی کی توحید کے بیان میں ہے: تو یہ (دوسرا) عاجز ہوگا، تو الٰہ نہیں ہوگا، یہ خلافِ مفروض ہے۔ اسی میں ہے: تو وہ بعض ممکنات سے عاجز ہے تو خدا ہونے کے قابل نہیں، اور دو خدا موجود نہیں"۔

اسی لئے علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عدمِ تکفیر حق اور تکفیر دشوار ہے، اور اسی لئے امام ابنِ ہمام نے بھی ان کی تکفیر نہیں کی؛ کیونکہ مسئلہ لزومِ کفر کا تھا، نہ کہ التزامِ کفر کا، لہذا فیض رسول صاحب کا استدلال باطل ہے، اور حق یہ ہے کہ لزومِ کفر کی صورت میں تاویل کے ساتھ مفتی کے فتوی سے اختلاف کرنا جائز ہے، جبکہ التزامِ کفر کی صورت میں انکار تو کُجا، بلا احتمال توقف کرنا بھی کفر ہے، جیسا کہ علماء نے فرمایا کہ: "مَن شَكَّ في كفرِه وعذابِه فقد كَفَر".

پھر اسی صفحہ نمبر ۱۹، نتیجہ نمبر ۴ میں ایک حق بات لکھ کر باطل استدلال کرنے کی کوشش کی، فیض رسول صاحب لکھتے ہیں:

(۴)"الفتح"، "النہر" اور "الدر" میں تصریح ہے کہ کئی کتب میں بحث ومباحثہ کے دوران اِلزامی طور پر فریقِ مخالف کی تکفیر کی گئی ہے، لیکن قواعد کی رُو سے اہلِ سنّت کے نزدیک حق یہی ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر بھی نہ کی جائے، اسی لئے "شرحِ مواقف" میں فرمایا کہ تمام مباحث کے دوران تم پر اہلِ حق کے قواعد کی پابندی کرنا واجب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کتب میں نقل شدہ اقوال نہ تو سارے قواعد کے مطابق ہیں، اور نہ ہی تمام اپنے ظاہر پر ہیں، لہذا ہم پر لازم ہے کہ جب ہم کسی قول کی بنیاد پر کوئی حکم بیان کریں تو اچھی طرح غور وفکر کر کے تسلی اور اطمینان حاصل کرلیں کہ کیا یہ قول اہلِ حق کے قواعد کے مطابق ہے؟"۔

مذکورہ بالا خط کشیدہ الفاظ میں اگرچہ حقیقت کا بیان ہے، مگر یہاں ان الفاظ کو ذکر کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ: "جو بھی کلمہ پڑھ لے اب وہ اہلِ قبلہ میں داخل ہو جانے کی وجہ سے تکفیر سے محفوظ ہو گیا"، حالانکہ یہ سراسر باطل اور تصریحاتِ ائمہ کے خلاف ہے؛ کیونکہ اہلِ قبلہ صرف وہی ہیں جو کسی ضروریاتِ دینی انکار نہ کریں، اگر کوئی کسی ضرورتِ دینی کا انکار کرتا ہے تو وہ شخص اہلِ قبلہ میں سے نہ رہا، اگرچہ وہ خود کو مسلمان کہتا ہو، کلمۂ طیّبہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہو، اس صورت میں اس کی عدمِ تکفیر کی کوئی وجہ نہ رہی، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"نعم الرّاجح عندنا أن لا إكفارَ إلاّ بالالتزام، ولا نريد به أن يلتزمَ كونَه كافراً؛ فإنّ أحداً من عبدة الأوثان أيضاً لا يرضى لنفسه بتسمية الكافر، وإنّما المعنى أن يلتزمَ إنكارَ بعض ما هو من ضروريات الدّين، وإن زعم أنّه من كملاء المسلمين، وأنّ له تاويلاً في هذا الإنكار المهين، كما بيّنته في "سبحان السُّبوح".

("المعتمد المستند"، صـ٢١٣).

ترجمہ: "ہاں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ التزام کے بغیر تکفیر جائز نہیں، اور اس سے ہماری مراد یہ نہیں کہ وہ کافر کہلوانے کا التزام کرے؛ کیونکہ بلاشبہ کوئی بتوں کا پجاری بھی خود کو کافر کہلوانا پسند نہیں کرے گا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی ضروریاتِ دینی کے انکار کا التزام کرے، اگرچہ وہ خود کو کامل مسلمانوں میں شمار کرتا ہو، اگرچہ وہ اپنے گھٹیا انکار کی تاویل بھی کرتا ہو"۔

مذکورہ بالا حوالے سے مولانا فیض رسول صاحب پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قادیانی، نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی، یا ان کے مثل دیگر لوگوں کے کفریات کا علم ہو جانے کے باوجود ان کی تکفیر کا انکار کرنا، یا ان کی تکفیر میں توقف کرنا ضروریاتِ دینی میں توقف کرنا ہے؛ کیونکہ ان لوگوں کا کفر ضروریاتِ دینی کے انکار پر مبنی ہے، اور توقف شک کا موجِب ہے، اور ضروریاتِ دینی میں شک کرنا شک کرنے والے کو کافر کر دیتا ہے۔

مولانا فیض رسول صاحب کے سوالات کی ابتداء

سوال نمبر ۱، صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں: "سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ نوعِ بشر میں عصمت خاصۂ انبیاء ہے، نبی کے سِوا کوئی کیسے ہی عالی مرتبے والا ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی قولِ ضعیف خلافِ دلیل یا خلافِ جمہور نہ صادر ہوا ہو، كلٌّ مأخوذٌ من قوله ومردودٌ عليه، إلاّ صاحب هذا القبر ﷺ.

("الفتاوى الرضوية"، ٢٢/ ٥١٥).

(۲)صحابۂ کِرام سے آئمۂ اربعہ تک رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہیں ہو گا جس کے بعض اقوال خلافِ جمہور نہ ہوں، سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا مطلقاً جمعِ زر کو حرام ٹھہرانا، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا نوم کو اصلاً حدث نہ جاننا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا مسئلۂ رِبا، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مسئلہ مدّتِ رِضاع، امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً، امام مالک رضی اللہ عنہ کا مسئلہ طہارت سُؤرِ کلب وتعبّدِ غسلاتِ سبع، امام احمد رضی اللہ عنہ کا مسئلہ نقضِ وضو بلحمِ جزور وغیرہ ذلک۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٨/ ٤٩٢).

جواب

مولانا فیض رسول صاحب نے "فتاوی رضویہ شریف" کی مذکورہ بالا دونوں عبارتیں لکھ کر یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ: "اگر ایمانیات یا ضروریاتِ دینی میں بھی کوئی اختلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ بڑے بڑے اکابر مجتہدین سے بھی خلافِ جمہور اقوال ثابت ہیں"، حالانکہ یہ تأثر سَراسَر غلط ہے؛ کیونکہ "فتاوی رضویہ" کی یہ عبارتیں فقہی اختلاف سے متعلق ہیں، اور دوسری عبارت میں امامِ اہلِ سنّت نے جو مثالیں لکھیں وہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، اہلِ سنّت کے مطابق اگر اختلاف اصولِ دین میں ہو تو وہ ضرور کفر وگمراہی ہے، جبکہ فقہی اختلاف رحمت ہے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا، وہ عبارت درج ذیل ہے:

"والمرادُ بدقائق علم التوحيد أشياء يكون الشّكُ والشبهةُ فيها، منافياً للإيمان ومناقضاً للإيقان بذات الله وصفاته ومعرفة كيفيّة المؤمن به بأحوال آخرته، فلا ينافي أنّ الإمام توقّف في بعض الأحكام؛ لأنّها في شرائع الإسلام والاختلاف في علم الأحكام رحمةٌ، والاختلافُ في علم التوحيد والإسلام ضلالةٌ وبدعةٌ، والخطاءُ في علم الأحكام مغفورٌ، بل صاحبُه فيه مأجورٌ، بخلاف الخطاء في علم الكلام؛ فإنّه

كفرٌ وزورٌ، وصاحبُه مأزورٌ، هذا ما أفاده الإمام الأعظم في "الفقه الأكبر"، والقاري في "شرحه". ("المعتقد المنتقد"، صـ٢٣٨).

ترجمہ: ترجمہ: "علمِ توحید کے دقائق سے مراد ایسی اشیاء ہیں جن میں شک وشبہ ایمان کی منافی ہو، اللہ تعالی کی ذات وصفات پر یقین کے خلاف ہو، اور احوالِ آخرت میں سے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اُن کی کیفیت کی معرفت کا مُعارِض ہو، تو یہ بات اس کے منافی نہیں کہ امامِ اعظم نے بعض اَحکام میں توقف کیا؛ کیونکہ وہ شریعت کے مسائل میں توقف تھا، علمِ اَحکام میں اختلاف رحمت ہے، اور علمِ توحید واسلام میں اختلاف گمراہی وبدعت ہے، علمِ اَحکام میں خطا معاف ہے بلکہ اس میں غلطی کرنے والے کو اَجر ملتا ہے، جبکہ اس کے بَر خلاف علمِ کلام میں خطا کرنا بلاشبہ کفر اور جھوٹ ہے، اور غلطی کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے، یہ وہ ہے جس کا افادہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "فقہ اکبر" اور علامہ علی قاری نے اس کی شرح میں کیا۔

پھر اسی سوال نمبر ا صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر لکھتے ہیں:

"(۳) وہ دلیل جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہو، جیسے قرآنِ پاک کی مفسَّر ومحکم آیات اور وہ حدیثِ متواتر جس کا معنی قطعی ہو، اس سے فرضِ اعتقادی اور حرامِ اعتقادی ثابت ہوتا ہے۔

("الفتاوی الرضوية"، ١/ ٢٥٢).

پس مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ جس شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ہونا ایسے کلام سے ثابت ہو، جس کا متکلم معصوم عن الخطا نہ ہو، یا معصوم تو ہو لیکن متکلم سے اس کا ثبوت قطعی نہ ہو، یا ثبوت تو قطعی ہو مگر اس کلام کی شخصِ معیّن کے کافر ہونے پر دلالت قطعی نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں اس امر کے ثابت بالقواطع نہ ہونے کے بسبب اس شخصِ معیّن کو مسلمان یا کافر ماننا نہ تو فرضِ اعتقادی ہوگا، اور نہ ہی اس کا منکر فقہاء ومتکلمین میں سے کسی کے نزدیک کافر ہوگا؛ کیونکہ "فتاوی رضویہ" اور "بہارِ شریعت" کے مطابق فرضِ اعتقادی (جس کا منکر "فتاوی رضویہ" جلد ا صفحہ

۲۴۲ کی رُو سے اکثر اصحابِ فتاوی متأخرین کے نزدیک کافر ہوتا ہے، لیکن فقہائے متقدمین وآئمۂ متکلمین کے نزدیک تب کافر ہوتا ہے جب وہ فرضِ اعتقادی ضرویاتِ دین میں سے ہو) ایسی دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو، جبکہ یہاں صورتِ اوّل پر نفسِ دلیل میں، صورتِ ثانی پر دلیل کی روایت و نقل میں اور صورتِ ثالث پر دلیل کے مدلول ومراد کو سمجھنے میں خطا کا شبہ موجود ہے"۔

جواب

اگر مولانا فیضِ رسول صاحب کی مذکورہ بالا دلیل اور اس دلیل پر قیاس کر کے برآمد کیا ہوا نتیجہ درست ہے، تو ہم مولانا فیض رسول صاحب سے درج ذیل سوال کریں گے:

(۱) اگر کوئی شخص خود اپنے کفر کا اقرار کرے، بلکہ کوئی غیر مسلم کہے کہ میں اللہ ﷻ کو نہیں مانتا (معاذاللہ)، تو کیا اس کو کافر ماننا ضرورتِ دینی ہے یا نہیں؟، اور جو اس کو کافر نہ مانے، بلکہ مسلمان کہے، یا اس کے کفر میں توقف کرے تو اس شخص کا کیا حکم ہے؟، اگر مولانا صاحب جواباً کہیں کہ: "ہاں ہاں وہ کافر ہے، اور اس کو کافر ماننا ضروری ہے، اور جو اسے کافر نہ جانے یا کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے"، تو ہم کہیں گے کہ آپ کی مذکورہ بالا دلیل کے مطابق اس اقراری کافر کو بھی کافر ماننا ضروری نہیں؛ کیونکہ اس شخصِ مخصوص کے کفر کا ذکر نہ تو قرآنِ مجید سے ثابت، نہ حدیثِ متواتر سے، نہ خبرِ واحد سے، بلکہ کسی حدیثِ موضوع میں بھی اس کا ذکر نہیں آیا!، نیز یہ کلام کسی معصوم عن الخطا سے بھی صادر نہیں ہوا، بلکہ یہاں نفسِ دلیل میں خطا کا شبہ موجود ہے، تو پھر اس کو کافر ماننا کیسے ضروری ہو گیا؟!، آپ کی دلیل کے مطابق فرضِ اعتقادی تو قرآنِ پاک کی مفسَّر و محکم آیات اور وہ حدیثِ متواتر جس کا معنی قطعی ہو، اس سے فرضِ اعتقادی اور حرامِ اعتقادی ثابت ہوتا ہے، اور اگر آپ اپنی دلیل ہی پر چلیں اور اس کے کفر کا انکار کریں تو یہ عقل و دانش کا خون اور شریعتِ مطہَّرہ کا واضح بطلان ہے اور صریح کفر ہے۔

(۲)اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ مرتد ہو جائے مثلاً: یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لے، اور اس پر دو چار گواہ بھی ہوں، اور مرتد ہونے والا شخص اس کا انکار بھی نہ کرے، تو کیا قاضیٔ اسلام کے لئے اس کے اِرتداد کا حکم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟، اور تین دن مہلت دینے کے باوجود رجوع نہ کرنے کی صورت میں اس کے قتل کا حکم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟، اگر آپ تمام فقہائے اسلام کی پیروی کرتے ہوئے ہاں کہیں، تو ہم کہیں گے کہ آپ کی مذکورہ بالا دلیل کے مطابق قاضی کے لئے اس کو کافر ماننا اور اس کے قتل کا حکم کرنا کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ اس شخص کے کفر کا ذکر نہ تو قرآنِ مجید سے ثابت، نہ حدیثِ متواتر نہ خبرِ واحد سے، بلکہ کسی حدیثِ موضوع میں بھی اس کا ذکر نہیں آیا!، نیز یہ کلام کسی معصوم عن الخطاء سے بھی صادر نہیں ہوا، بلکہ یہاں دلیل کی روایت و نقل میں خطا کا شبہ موجود ہے، تو پھر اس کو کافر ماننا کیسے ضروری ہو گیا؟!، آپ کی دلیل کے مطابق فرضِ اعتقادی تو قرآنِ پاک کی مفسَّر و محکم آیات اور وہ حدیثِ متواتر جس کا معنیٰ قطعی ہو، اس سے فرضِ اعتقادی اور حرامِ اعتقادی ثابت ہوتا ہے، اور اگر آپ اپنی دلیل ہی پر چلیں اور اس کے کفر کا انکار کریں تو یہ عقل و دانش کا خون اور شریعتِ مطہَّرہ کا واضح بطلان ہے اور صریح کفر ہے۔

(۳)اگر کوئی شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو (معاذ اللہ) مسلمان جانے اور کہے کہ مرزا نے خود ختمِ نبوت کا اقرار کیا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ مرزا نے خود کو ظلی نبی کہا ہے، اور اس پر گواہ بھی موجود ہوں، تو کیا وہ شخص کافر ہو گا یا نہیں؟، اگر آپ کہیں کہ: "ہاں ایسا شخص ضرور کافر ہے؛ کہ جانتے ہوئے بھی مرزا کو مسلمان مان رہا ہے"، ہم کہیں گے کہ آپ کی دلیل کے مطابق اس شخص کو بھی کافر ماننا کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ مرزا کی دلیلِ کفر تو کُجا، خود مرزا اور اس کے ماننے والے شخص کا ذکر نہ تو قرآنِ مجید سے ثابت، نہ حدیثِ متواتر سے، نہ خبرِ واحد سے، بلکہ کسی حدیثِ موضوع میں بھی اس کا ذکر نہیں آیا!، نیز یہ کلام کسی معصوم عن الخطا سے بھی صادر نہیں ہوا، بلکہ یہاں نفسِ دلیل میں خطا کا شبہ موجود ہے، تو پھر اس کو کافر ماننا کیسے ضروری ہو گیا؟!، آپ کی دلیل کے مطابق فرضِ اعتقادی تو قرآنِ پاک کی

مفسَّر و محکم آیات اور وہ حدیثِ متواتر جس کا معنی قطعی ہو، اس سے فرضِ اعتقادی اور حرامِ اعتقادی ثابت ہوتا ہے، اور اگر آپ اپنی دلیل ہی پر چلیں اور اس کے کفر کا انکار کریں تو یہ عقل و دانش کا خون اور شریعتِ مطہَّرہ کا واضح بطلان ہے اور صریح کفر ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کر دے، اور خود اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے، اور اس کے تمام ورثاء بھی قصاص کے سِوا کسی بات پر راضی نہیں، تو کیا قاضیٔ اسلام کے لئے جائز بلکہ ضروری ہوگا کہ اس شخص کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دے؟، اگر آپ کہیں کہ: "ہاں قاضی کے لئے ضروری ہے کہ حق کے مطابق اس کے قتل کا حکم جاری کرے"، تو ہم کہیں گے کہ آپ کی دلیل کے مطابق قاضی کے لئے اس کے قتل کا حکم جاری کرنا کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ اس شخص کے قتل کا ثبوت یا تو اس کے اقرار سے ہوا ہے، یا گواہوں سے ہوا ہے، اور یہ خود اور گواہ معصوم عن الخطا نہیں، لہذا اقرار کی صورت میں نفسِ دلیل، اور گواہی کی صورت میں دلیل کی روایت اور نقل میں خطا کا شبہ موجود ہے، لہذا قاضی کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ اس کے قتل کا حکم جاری کرے؛ کیونکہ مسلمان کے خون کی حرمت قطعیُ الدّلالہ اور قطعیُ الثبوت ہے، اور اس حرمت کو زائل کرنے کے لئے اسی وزن کی دلیل کی ضرورت ہے، اور اس وزن کی دلیل یا تو قرآنِ کریم کی محکم و مفسَّر آیت سے ہوگی یا قطعیُ الدّلالہ خبرِ متواتر سے ہوگی، اور اگر آپ اپنی دلیل ہی پر چلیں اور اس کے قتل کو ناجائز کہیں، یا غیر ضروری کہیں، تو یہ عقل و دانش کا خون اور شریعتِ مطہَّرہ کا واضح بطلان ہے اور صریح کفر ہے، اور اسی طرح کے اور بہت سے سوالات کئے جا سکتے ہیں... !۔

مذکورہ بالا بحث سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مولانا فیضِ رسول صاحب، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ (بلکہ تمام اصولیین) کے قول کو سمجھنے میں سخت غلطی کا شکار ہوئے ہیں، اور غلطی یہ ہے کہ امامِ اہلِ سنّت کی مذکورہ بالا عبارت موجودہ معاملات کے متعلق نہیں، بلکہ اصولِ

دین سے متعلق ہے، یعنی قرآن وسنّت سے فرضِ اعتقادی، فرضِ عملی و دیگر اَحکام کس طرح ثابت ہوتے ہیں، اگر مولانا صاحب امامِ اہلِ سنّت کے فتوی کو حصولِ علم کے لئے پڑھتے تو فتوی کی ابتداء ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بحث دلائلِ سمعیہ سے ثابت ہونے والے اَحکام کی پہچان کے لئے کی ہے، دیکھئے امامِ اہلِ سنّت کے ابتدائی الفاظ کتنے روشن ہیں:

"مجتہد جس شے کی طلبِ جزمی حتمی اِذعان کرے، اور وہ اِذعان بدرجۂ یقین معتبر فی اصول الدین ہو (اور اس تقدیر پر مسئلہ نہ ہوگا مگر مجمع علیہ جمیع آئمۂ دین)، تو وہ فرضِ اعتقادی ہے، جس کا منکر عند الفقہاء مطلقاً کافر، اور متکلمین کے نزدیک (منکر اس وقت کافر ہے) جبکہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہو۔ ("الفتاوی الرضویة"، ۱/ ۱۸۰، ۱۸۱).

مذکورہ بالا خط کشیدہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ امامِ اہلِ سنّت قرآن وسنّت سے اَحکام کے ثبوت کی صورتیں بیان فرما رہے ہیں، ورنہ جو مولانا فیض رسول صاحب نے سمجھا کہ: "ہمارے زمانے میں بھی کوئی معاملہ ہو تو اس کے لئے بھی ایسی ہی دلیل کی ضرورت ہے جو بیان کی گئی"، تو اب ان تمام آئمہ کو کہاں سے لائیں گے جو دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں... ؟!۔

یقین کب حاصل ہوتا ہے

یقین کی بحث

جہاں تک قرآن وسنّت کا تعلق ہے تو مذکورہ بالا اصولوں سے یقینی یا ظنّی اَحکامِ شرعیہ کے لئے استدلال کیا جاتا ہے، اور جہاں تک مسئلہ معاملات میں یقین حاصل کرنے کا ہے تو اس کے لئے علمائے مجتہدین نے قرآن وسنّت کی روشنی میں اصول و قواعد بیان کر دیئے ہیں، اور جس طرح قرآن وسنّت سے قطعیُ الدلالہ و قطعیُ الثبوت ہونے کی صورت میں علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے، اسی طرح حواسِ خمسہ اور عقل سے علمِ ضروری بدیہی قطعی حاصل ہو سکتا ہے، امام عمر نَسَفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"أسباب العلم للخَلق ثلاثةٌ: الحواسُ السَّليمة، والخبرُ الصّادق، والعقلُ... وبكلّ حاسّةٍ منها يوقف على ما وضعت هي له". ("العقائد النَّسَفية"، صـ٦٠-٦٣).

ترجمہ: "خلقِ خدا کے لئے علم کے اَسباب تین ہیں: حواسِ سلیمہ، خبرِ صادق اور عقل۔۔۔، اور ہر حاسّہ سے وہی علم حاصل ہوتا ہے جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہے"۔

پھر خبرِ رسول سے حاصل ہونے والے علم کے متعلق لکھتے:

"(والعلمُ الثابتُ به) أي: بخبر الرّسول (يضاهي) أي: يشابه (العلم الثابت بالضّرورة) كالمحسوسات والبديهيّات والمتواترات (في التيقُّن) أي: عدم احتمال النقيض، (والثبات) أي: عدمُ احتمال الزَّوال بتشكيك المشكِّك فهو علمٌ بالضرورة، بمعنى الاعتقاد المطابق الواقع الجازم الثابت". ("شرح العقائد النسفية"، صـ٦٦).

ترجمہ: "اور جو علم خبرِ رسول سے حاصل ہوتا ہے وہ یقینی ہونے یعنی نقیض کا احتمال نہ رکھنے، اور ثابت ہونے یعنی تشکیکِ مشکِّک سے زائل ہونے کا احتمال نہ رکھنے میں اس علم کے مشابہ ہوتا ہے جو صفتِ ضرورت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، جیسے محسوساتِ بدیہیّات اور متواترات (کا علم)، تو وہ علم (خبرِ رسول سے حاصل ہونے والا علم) علم بمعنی ایسے اعتقاد کے ہے جو واقع کے مطابق ہو، جازم اور ثابت ہو"۔

پھر عقل سے حاصل ہونے والے علم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"(وما ثبت منه) أي: من العلم الثابت بالعقل (بالبداهة)، أي بأوّل التوجّه من غير احتياجٍ إلى تفكّرٍ (فهو ضروريٌّ كالعلم بأنّ كلَّ شّيءٍ أعظمُ من جزئِه)".

("شرح العقائد النسفية"، صـ٧٠).

ترجمہ: "اور جو علم عقلِ بدیہی کے طور پر یعنی پہلی توجہ میں بغیر فکر و نظر کی طرف حاجت کے حاصل ہو وہ ضروری ہے، جیسے اس بات کا علم کہ کسی بھی شے کا کل اس کے اپنے جزء سے بڑا ہوتا ہے"۔

مذکورہ بالا عبارات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوا کہ حواسِ سلیمہ اور عقل سے بھی بدیہی قطعی علم حاصل ہو سکتا ہے، ہاں البتہ حواسِ سلیمہ کے ذریعے حاصل ہونے والے علم میں شبہ کا احتمال ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ احتمال بلا دلیل ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ احتمال اس علم کو ظنّی نہیں بنادے گا، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"**اقول:** فقہیات میں غالب ظن اور راجح رائے کو یقین کے درجے میں شمار کیا جاتا ہے، عقائد میں یقین عام اور خاص دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لفظِ اذعان ان سب کو شامل ہے"۔
("الفتاوی الرضوية"، ١/ ١٨٠).

پھر حاشیہ نمبر ٢ میں فرماتے ہیں:

"جب ہمیں کسی چیز کا وثوق ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: (١) اس کے خلاف کا بالکل احتمال نہ ہو، جیسے اللہ تعالی کی وَحدانیت اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی حقانیّت کا وثوق، تو یہ خاص معنوں میں یقین ہے، (٢) جانبِ مخالف کا بغیر کسی دلیل کے احتمال ہو، جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ ہمارے سامنے کھڑا ہوا شخص زَید ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ زَید کی شکل میں جن ہو، یقین کا یہ عام معنی ہے، ایسا احتمال قابلِ توجہ نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے علم درجۂ یقین سے نیچے نہیں آتا"۔ ("الفتاوی الرضوية"، ١/ ١٨٠).

لہذا اگر کوئی معاملہ یا کسی کے کفر کا ثبوت خود اس کے اقرار یا دیگر لوگوں کے حواسِ سلیمہ سے ثابت ہو، اور وہ ثبوت اپنی شرائط اور تعداد میں شریعتِ مطہّرہ کے مقرّر کردہ نِصاب کے مطابق ہو تو اس پر حتمی جَزمی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، راقم الحروف کے خیال میں مثال دینے کی

ضرورت نہیں، قضا کے تمام معاملات اسی طرح سے ثابت ہوتے ہیں، اور اکثر معاملات میں دو عادل مگر غیر معصوم گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ارتداد و قتل و قطع کا حکم دیا جاتا ہے، اس کے برعکس اگر ہم مولانا فیض رسول صاحب کے غلط استدلال کو لیں، تو پھر دنیا میں نہ کسی مسلمان کو مسلمان ماننا ضروری ہوگا، نہ کسی کافر کو کافر ماننا ضروری ہوگا، اور اس کے مضرات کسی عاقل سے مخفی نہیں، ایک مثال دینا چاہوں گا کہ: "کوئی مسلمان کسی غیر مسلمہ مثلاً: قادیانی یا ہندو لڑکی سے شادی کرنا چاہے گا تو کہہ دے گا کہ: اس لڑکی کو کافر ماننا کوئی ضروری نہیں، بلکہ میں تو اسے بہت سی مسلمان لڑکیوں سے اچھا جانتا ہوں، نہیں بلکہ میں اسے مسلمان ہی مانتا ہوں؛ کیونکہ اس کے کفر پر کوئی قطعیّت نہیں ہے، اس کا کفر نہ قرآن کی کسی محکم و مفسَّر آیت سے ثابت ہے، نہ کسی قطعیُ الدلالہ حدیث سے ثابت ہے، اگر کوئی اس کو سمجھانے کی کوشش کرے کہ: بھائی کسی مفتی سے پوچھ لو کہ یہ لڑکی مسلمان ہے یا کافر؟، تو جواب میں کہہ دے گا کہ اگرچہ مفتی اسے کافر بھی کہے تب بھی میں اسے کافر نہیں جانوں گا؛ کہ مفتی کا فتوی اس کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظنّی ہے؛ کیونکہ مفتی کوئی معصوم عن الخطا تو نہیں، اور اگر وہ شخص پڑھا لکھا ہوا تو مقدّمات بھی ترتیب دے دے گا اور کہے گا کہ مفتی صاحب کا کبریٰ تو قطعی ہے کہ: جو ختمِ نبوّت کا انکار کرے وہ کافر ہے، مگر صغریٰ یقینی نہیں؛ کیونکہ یہ مفتی صاحب کے اجتہاد پر مبنی ہے، لہذا اس میں خطا کا احتمال ہے، ظاہر ہے کہ صغریٰ ظنّی ہے تو نتیجہ بھی ظنّی ہی ہوگا، اور ویسے بھی مولانا فیض رسول کی تحقیق کے مطابق کسی شخص کا اسلام یا کفر ضرورتِ دینی نہیں ہو سکتا، لہذا میں تو اسے مسلمان ہی مانتا ہوں، اور میں اس سے شادی کروں گا، اور ممکن ہے کہ کچھ زیادہ ہوشیار ہوا تو کہہ دے کہ مفتی صاحب کا اسلام بھی کون سا قطعی ہے؟!، جو دوسروں کے ایمان و کفر کے فتوے دے رہیں"۔

اگر مولانا فیض رسول صاحب کہیں کہ: "نہیں! میں اقرار کو تو مانتا ہوں، یعنی اگر کوئی خود اپنے کفر کا اقرار کرے تو وہ بلاشبہ کافر ہے، اور جو اس کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے"، تو ہم

مولانا صاحب سے عرض کریں گے کہ :آپ نے اقرار کو کیسے حجت مان لیا؟؛ کیونکہ جو شخص اقرار کر رہا ہے وہ معصوم عن الخطا نہیں، لہذا اس کے کلام میں شبہ موجود ہونے کی وجہ سے قطعی نہ رہا، اور غیر قطعی کا انکار تو کفر نہیں، اگر مولانا کہیں کہ : "نہیں نہیں! اقرار تو حجتِ شرعیہ ہونے کی وجہ سے قطعی ہے"، تو ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ شریعت کو حجت مانتے ہیں تو پھر دو عادل گواہوں کی گواہی بھی حجتِ شرعیہ ہے، جس کی بناپر اِرتِداد و قتل و قطع کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کسی کا کفر دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو اسے کافر قرار دینا اور کافر ماننا ضروری ہے، اگر مولانا صاحب کہیں کہ : "میں اس بات کو اس وقت تک ضروری نہیں سمجھتا جب تک وہ خود اپنے کفر کا اقرار نہ کرلے"، ہم جواباً کہیں گے کہ : آپ نے چودہ سو سالہ شریعت باطل قرار دے دی، آج تک قضاء یونہی ہوتی آرہی ہے؛ کہ جب دو عادل گواہوں سے جُرم ثابت ہو جاتا ہے تو اِرتِداد، قتل و قطع وغیرہ کا حکم کر دیا جاتا ہے، نیز خود کو کافر کہلوانا تو کوئی کافر بھی پسند نہیں کرتا، جیسا کہ ہم نے امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا۔

اگر مولانا فیض رسول صاحب کہیں کہ : "نہیں! میری مراد تو کسی تکفیری فتوی کی تصدیق مراد ہے، یعنی کوئی کسی تکفیری فتوی کو غلط قرار دے، یا اس میں توقف کرے، تو وہ منکر کافر نہیں ہوگا"، تو ہم کہیں گے کہ : مولانا کا یہ قول علی الاِطلاق درست نہیں ہے، ہاں اگر لزومِ کفر ہو تو اختلاف کرنے والا کافر نہیں، نیز مولانا صاحب نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے جتنی مثالیں دیں وہ سب لزومِ کفر کی ہیں، اور اگر مسئلہ التزامِ کفر کا ہے تو مولانا کا قول مردود ہے؛ کیونکہ جس طرح ضروریاتِ دینی کو ماننا عینِ ایمان ہے، اسی طرح ان میں کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے، اگر مولانا کہیں کہ : "ہاں اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں، مگر مفتی کے فتوی میں احتمال ہو سکتا ہے، لہذا اس کو ماننا ضروری نہیں ہے"، تو ہم کہیں گے کہ شبہ یا احتمال کی وہ صورتیں جو آپ نے سوال نمبر ایک میں بیان کیں وہ تو سب باطل ہو چکیں؛ کیونکہ معاملات میں ان کا استعمال تو پوری شریعت ہی کو

باطل کردے گا، بہر حال اگر کوئی احتمال یا شبہ ہو سکتا ہے تو وہ کلام یا تکلم یا متکلم میں ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا، اگر یہ تینوں وجوہ نہ ہوں تو پھر مانعِ تکفیر کون سی وجہ ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر اکابرِ دیابنہ یا قادیانی کے کفریہ کلمات لیتے ہیں: ان لوگوں کے کلام کو دیکھیں تو اس میں تاویل کی کوئی راہ نہیں، بلکہ خود دیوبندیوں نے جو تاویلات کرنے کی کوشش کیں وہ خود کفر ہیں، جہاں تک تکلم کا تعلق ہے، تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں، یہ کلام انہیں لوگوں کا ہے، جبھی آج تک چھپ بھی رہا ہے، اور کسی سے اس کا انکار بھی مسموع نہیں، جہاں تک متکلم کا تعلق ہے تو نہ ان لوگوں نے کبھی اپنے ناپاک کلام سے توبہ کی، اور نہ آج تک ان کی توبہ سُنی گئی، لہذا تینوں قسم کے احتمالات منتفی ہیں، تو اب تکفیر سے مانع کون سی وجہ ہے؟!۔

پھر اسی سوال نمبر ا صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں: "سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) بلکہ مذہبِ معتمد و محقق میں استحلال بھی علی اِطلاقہ کفر نہیں، جب تک زِنا، یا شربِ خمر، یا ترکِ صلاۃ کی طرح اس کی حُرمت ضروریاتِ دین سے نہ ہو، غرض ضروریات کے سِوا کسی شے کا انکار کفر نہیں، اگرچہ ثابت بالقواطع ہو؛ کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرۂ اسلام میں داخل کیا تھا، اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین۔

("الفتاوی الرضوية"، ٥/ ١٠١).

(۲) ضروریاتِ دین، ان کا ثبوت قرآنِ عظیم، یا حدیثِ متواتر، یا اِجماعِ قطعی، قطعی الدّلالات واضحۃ الاِفادات سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہے کی گنجائش، نہ تاویل کو راہ، اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔ ("الفتاوی الرضوية"، ٢٩/ ٣٨٥).

(۳) ضروریاتِ دین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ: "وہ دینی قطعی مسائل جن کو خواص و عوام سب جانتے ہوں"۔ ("الفتاوی الرضوية"، ١/ ٢٤٢).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا مسلمان یا کافر ہونا دلیلِ قطعی (قطعیُ الدلالہ آیت، قطعیُ الدلالہ حدیثِ متواتر، قطعیُ الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابہ) سے تو ثابت ہو، مگر اس کے مسلمان یا کافر ہونے کو عوام وخواص نہ جانتے ہوں، تو اس صورت میں اس کے مسلمان یا کافر ہونے کا منکر کافر نہیں ہوتا"۔

جواب

"فتاوی رضویہ" کی مذکورہ تینوں عبارات صرف اور صرف ضروریاتِ دینی کے ثبوت کے لئے ہیں، مگر مولانا اس سے استدلال تکفیرِ شخصی کے حوالے سے کر رہے ہیں، اور اس استدلال کا رَد گزشتہ سطور میں تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔

پھر اسی صفحہ نمبر ۲۰ اور ۲۱ پر لکھتے ہیں: "سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) خاص اس مسئلہ میں، یعنی نفیِ زیادتیِ صفات کے مسئلہ میں زیادہ درست میرے نزدیک وہ ہے جو میں نے "مسلم الثبوت" اور اس کی شرح "فواتح الرّحموت" سے پہلے ذکر کیا، یعنی یہ بدعت موجبِ فسق نہیں؛ اس لئے کہ اس میں امرِ قطعی کا انکار نہیں، والله تعالى أعلم.

("المعتمد المستند"، صـ۵۱).

(۲) "تحفۂ اثنا عشریہ" میں ہے: "جو کوئی ان تمام باتوں کے باوجود کسی ایک طرف پختہ یقین دکھائے، تو وہ بے باک نڈر اور بے احتیاط ہے، پس راسخ علماء اور محتاط حضرات کی یہی پہچان ہے کہ وہ مختلف اجتہادی مسائل میں کسی ایک طرف یقین نہیں رکھتے، علامہ عبد الغنی نابلسی "حدیقۂ ندیہ" میں فرماتے ہیں: جب کسی مسئلہ کو چند اقوال میں سے کسی ایک قول پر حمل کیا جاسکے تو وہ ایسا جُرم اور گناہ نہیں کہ جس سے روکنا اور جس کا انکار کرنا ضروری ہو، لیکن منکر یعنی گناہ وہ ہے جس کی حُرمت پر اجماع اور نہی واقع ہو"، اھ۔ ("الفتاوى الرضوية"، ۲۳/ ۱۷٤، ۲۲/ ٤۰٦، ۹/ ۵۳۲).

(۳) سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجتہد اختلاف سے واقفیت کے باوجود حکم پر جزم رکھتا ہے، اور جزم کے باوجود اس کے مخالف اور منکر کی تکفیر سے انکار کرتا ہے، یہ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا بہت نادر اور وقیع علم ہے جسے محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس سے باذنِ الٰہی ایسے بہت عُقدے حل ہو جاتے ہیں جن میں کچھ لوگ حیرت زدہ ہیں، اور جن سے ناآشنائی کے باعث کچھ لوگ ہلاکت میں پڑے، اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے، اھ"۔ ("الفتاوى الرضوية"، ۱/ ۲٤٥ حاشیہ).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ کسی مفتی و قاضی کا فتوی و فیصلہ درحقیقت اجتہادی ہوتا ہے، جس کو دوسرے مفتی و قاضی پر ماننا فرض نہیں ہوتا، نیز جس شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ہونا نہ تو امرِ قطعی ہو، اور نہ ہی آئمہ مجتہدین کا اِجماع ہو، جیسا کہ یزید کے کافر ہونے کا مسئلہ، تو اس صورت میں اس کا انکار نہ تو فسق ہے اور نہ ہی گناہ"۔

جواب

"فتاوی رضویہ شریف" کی پہلی عبارت عقائد کے فروعی اَحکام سے متعلق ہے، دوسری عبارت فقہی مسائل سے متعلق ہے؛ کیونکہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر بالجہر کی بحث میں اسے نقل کیا ہے، اور اسی طرح تیسری عبارت بھی فقہی اَحکام سے متعلق ہے؛ کیونکہ یہ عبارت بھی "الجودُ الحُلُو في أحكام الوضوء" سے لی گئی ہے، مگر مولانا نے استدلال اس سے تکفیرِ شخصی کے مسئلے پر کیا ہے، حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اِرتِداد و قتل و قطع دو عادل گواہوں سے بھی ثابت ہو سکتا ہے، اور جہاں تک یزید کی تکفیر کا مسئلہ ہے تو اس میں دلائل کے تعارُض اور ثبوت میں شبہ ہونے کی وجہ سے اس کا کافر ماننا ضروری نہیں، اس کے برعکس اگر کوئی خود اپنے کفر کا اقرار کرے یا ضروریاتِ دینی کا بداہۃً انکار کرے تو کیا اسے کافر ماننا ضروری نہیں؟!، یا کوئی اپنے اسلام کا اظہار کرے اور ضروریاتِ دینی کا اقرار کرے تو کیا اس کو مسلمان جاننا ضروری نہیں؟!، اگر

نہیں تواس کے نتائج ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ بداہت کاخون اور شریعت کا بطلان ہے،

اتنی طویل تمہید کے بعد مولانا اپنے سوالات کی طرف آتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"اب عرض یہ ہے کہ **اوّلاً:** یہ بتائیں کہ جس شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ماننا دلیلِ قطعی (قطعیُ الدلالہ آیت، قطعیُ الدلالہ حدیثِ متواتر، قطعیُ الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابہ) سے ثابت نہ ہونے کے سبب فرضِ اعتقادی نہ ہو، اس کو فرض اعتقادی قرار دینا اور اس کے منکر کی تکفیر کرنا شرعاً کیسا ہے؟۔

ثانیاً: یہ بتائیں کہ جس شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ہونا ثابت بالقواطع نہ ہونے اور تمام خواص وعوام مسلمانوں کے اس کو نہ جاننے کے بسبب ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو، اس کے مسلمان یا کافر ہونے کو ضروریاتِ دین قرار دینا، اور اس کے منکر کی تکفیرِ کلامی کرنا شرعاً کیسا ہے؟۔

ثالثاً: یہ بتائیں کہ جس شخصِ معیّن کے مسلمان یا کافر ہونے کا انکار اس کے امرِ قطعی ومجمع علیہ نہ ہونے کے بسبب فسق وگناہ نہ ہو، تو اس صورت میں اس کے منکر کی تکفیرِ کلامی کرنا شرعاً کیسا ہے؟"۔

مذکورہ بالا تینوں سوالات بناءُ الغلط علی الغلط کی بنیاد پر قائم کئے گئے ہیں، اور اس غلطی کی وضاحت گزشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں کہ قرآن وحدیث سے قطعی اَحکام اَخذ کرنا نفسِ ضروریاتِ دینی کے ثبوت کے لئے ہیں، نہ کہ خارج میں واقع ہونے والے معاملات کے لئے، اگر خارج میں ہونے والے نفسِ واقعہ کے لئے بھی قرآن وحدیث سے ثبوت کی قید لگائی جائے تو شریعتِ مطہّرہ کا بطلان لازم آتا ہے، اس کے برعکس خارج میں ہونے والے معاملات میں قطعیّت حواسِ سلیمہ اور بداہت کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی اپنے کفر کا اقرار کرے یا دو عادل گواہوں سے اس کا ارتداد ثابت ہو جائے، تو شریعتِ مطہّرہ اسے قطعی قرار دے کر نہ صرف اس کو کافر قرار دیتی ہے، بلکہ اس کے لئے قتل کا حکم بھی صادر فرماتی ہے، اور ظاہر ہے کہ مسلمان کے

خون کی حرمت قطعی ہے، یہ اسی صورت میں مباحُ الدم ہو سکتا ہے جب اس کے لئے کوئی دلیلِ قطعی پائی جائے، لہذا جس شخص کا کفر خود اس کے اقرار یا حواسِ سلیمہ یا بداہت سے ثابت ہو، تو علم ہونے کے باوجود اس کو کافر نہ ماننے والے کی تکفیر کی جائے گی؛ کہ اس کے نزدیک ایمان و کفر برابر ہیں، یا جس کا ایمان خود اس کے اقرار یا حواسِ سلیمہ یا بداہت سے ثابت ہو، تو اس کے منکر کی تکفیر کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ وہی ایمان و کفر میں برابری لازم آئی گی، لیکن اگر مولانا صاحب گزشتہ تمام بحث کے باوجود کسی کے اسلام یا کفر کے ثبوت کے لئے "قطعیُ الدلالہ آیت، قطعیُ الدلالہ حدیثِ متواتر، قطعیُ الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابہ" کی قید پر ڈٹے رہیں تو پھر وہ مندرجہ ذیل آیات اور حدیث کا جواب دیں:

(۱)اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً﴾.

(پ٥، النساء: ٩٤).

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کرلو، اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ: تو مسلمان نہیں، تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے!، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"۔

مذکورہ بالا آیت میں دو مرتبہ ﴿تَبَيَّنُوا﴾ کا صیغہ آیا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ ہم مسلمان اور کافر کی پہچان کریں، اور خود کو مسلمان یا کافر کہنے والے کی تصدیق کریں۔ اب مولانا صاحب سے سوال ہے کہ: ہمارے زمانے میں ہم کس طرح اس آیت پر عمل کریں گے؟، کیا کسی کے اسلام

وکفر کے ثبوت کے لئے وہی معیار اپنائیں گے یا کچھ اور؟، اگر آپ کا دیا ہوا معیار اپنائیں تو کیا اس زمانے میں اس آیتِ مبارکہ پر عمل کرنا ممکن ہے؟۔

(۲) "بخاری"، "ترمذی"، "ابو داؤد"، "ابن ماجہ"، "نَسائی"، "مسند احمد بن حنبل" اور دیگر کتب میں روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ». ["صحيح البخاري"، رقم الحديث: ٦٩٢٢، صـ١١٩٣] ترجمہ: "جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو"۔

ہمارے زمانے میں اگر کوئی اپنا دین تبدیل کرلے تو اس کے ثبوت کا کیا طریقہ ہوگا؟، اگر وہی معیار ہے تو آج پھر کسی کا ارتداد ثابت نہیں ہو سکتا، لہذا (معاذاللہ) آپ کے نزدیک اس قسم کی تمام نصوص لغو ہوئیں!، اگر نہیں تو کیوں؟۔

اسی صفحہ پر مولانا لکھتے ہیں:

"**رابعا:** اگر ہر صریح متعین کلمہ کفر سرزد ہونے پر ہر شخصِ معیّن کی تکفیر کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہو، تو پھر تمام صریح متعین کلماتِ کفر کی پہچان حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہوگا؛ تاکہ اس کے سامنے جب بھی کوئی شخص صریح متعین کلمۂ کفر بولے تو وہ فوراً اس کی تکفیرِ کلامی کر کے اپنا ایمان بچا سکے، حالانکہ ہر صریح متعین کلمۂ کفر کی پہچان حاصل کرنا، اور اس میں تاویلِ صحیح ناممکن ہونے کا سو فیصد صحیح فیصلہ کرنا تو ہر عالم کے بس میں بھی نہیں، چہ جائیکہ ہر مسلمان اس پر قادر ہو سکے، نیز اس صورت میں لازم آئے گا کہ تمام علماء اور ان کے صحبت یافتگان کا علم اور اندازِ فکر کم از کم مسئلۂ تکفیر میں برابر ہو؛ تاکہ کسی کلام میں تاویلِ صحیح ممکن ہونے نہ ہونے کے بارے میں ہر ایک کا فیصلہ سو فیصد درست ہو سکے، حالانکہ بعض اوقات کسی کلام میں صحیح تاویل موجود ہوتی ہے، لیکن ہر ایک کے ذہن کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی، جیسا کہ "فتاوی رضویہ" جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۴ سے خوب ظاہر ہے، اور اگر کہا جائے کہ: "متعین کلمۂ کفر سرزد ہونے پر تکفیر کرنا ضرورتِ دینی اس

وقت ہوتا ہے جب کوئی محقق مفتی اس پر تکفیر کا فتوی جاری کرے"، تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ اس امر کا ضرورتِ دینی ہونا محقق مفتی کے فتوی دینے پر موقوف ہو، حالانکہ ضرورتِ دینی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر قرآنِ عظیم، یا حدیثِ متواتر، یا اِجماعِ قطعی قطعیُ الدلالات واضحۃ الِافادات سے ثابت ہو، اور جو امر واقعۃً ایسا ہو وہ کسی محقق مفتی کے فتوٰی دینے پر موقوف نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ کسی مفتی کے فتوی دیے بغیر بھی ہر خاص وعام پر روشن ہوتا ہے"۔

جواب

مذکورہ بالا عبارت کی ابتدائی چار سطور میں مولانا نے جو گفتگو کی، اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ: بلاشبہ وہ علم جس سے مسلمان خود کو کفر سے بچا سکے، اس کا سیکھنا ضروری ہے، ورنہ خود کفر میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہے، حضرت علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تو حکمِ عقلی کی تینوں اقسام کو جاننا ہر مکلَّف یعنی عاقل بالغ پر اکثر علماء کے نزدیک فرضِ عین ہے، اور "ماتریدیہ" کے نزدیک ہر عاقل پر فرضِ عین ہے، اگرچہ نابالغ ہو، اس میں اللہ تعالی کی معرفت کے اعتبار سے جن وانس، مرد وعورت اور خنثٰی اور آزاد وغلام کا بالِاجماع کوئی فرق نہیں، یعنی اللہ کے حق میں جو واجب ہے اور جو جائز ہے اور جو محال ہے، اس کا جاننا (سب پر فرضِ عین ہے)، اور رسولوں کی نسبت یعنی جو ان کے حق میں واجب اور جو ممکن ہے اور جو محال ہے، ان سب کا جاننا اور ان کے لئے نبوّت کے اَحکام سے جو کچھ واجب ہے، اس کا جاننا اور آخرت کے دن اور اس سے جو کچھ متعلق ہے، ان تمام باتوں کا جاننا سب پر فرضِ عین ہے"۔

("المعتقد المنتقد"، (مترجم)، ص ۳۴، مطبوعہ برکات المدینہ کراچی)۔

علامہ برکلی اور علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہما اقوالِ کفر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"(فالواجب) أي: فرضُ العين (على كلِّ مَن سمع) من المكلَّفين (مثل هذه الأقاويل) جمعُ أقوال (الباطلةِ) المضادّةِ لقول الحقّ (الإنكار)، أي: الردّ والردع (على

قائله) أي: قائل مثل ذلك؛ لأنّ إنكارَ الباطل حقٌّ كما أنّ إنكار الحقّ باطلٌ، (والجزمُ) أي: القطع (ببطلان مقالِه) أي: قول مثل ذلك في "القاموس" في الحكم ببطلان ذلك (ولا تردّد) فيه (ولا توقّف ولا تلبّث) أي: تصبر عن الحكم بذلك؛ فإنّ الباطل باطلٌ قطعاً من غير شبهةٍ، (وإلاّ) أي: وإن شكّ أو تردّد أو توقّف أو تلبّث (فهو) محسوبٌ (من جملتهم)، أي: جملة هؤلاء القائلين بالمقالات المذكورة، حيث تحقّق من قائلها وتابعهم عليها وصدقهم فيها فهو منهم، (فيحكم) بالبناء للمفعول، أي: بحكم الشّرع المحمّدي (بالزّندقة عليهم) كلِّهم جملة القائلين بذلك والموافقين لهم فيه، ولو بالشكّ والتردّد والتوقّف والتلبّث في أمرهم بعد تحقّق قولهم ذلك ومعاينته منهم".

("الحديقة الندية"، ١/ ١٦٣، ١٦٤، المكتبة النورية الرضوية، فيصل آباد).

خلاصہ: "پس واجب یعنی فرضِ عین ہے ہر مکلَّف پر جو اس قسم کے باطل اقوال کو سنے کہ: ان کے قائل کا انکار ورَد کرے؛ کیونکہ باطل کا انکار حق ہے، جیسا کہ حق کا انکار باطل ہے، اور ان کے باطل اقوال کے بطلان پر جزم کرے، نہ تردّد کرے، نہ توقّف، نہ تلبّث، یعنی حکم لگانے میں دیر نہ کرے؛ کیونکہ باطل بلاشبہ باطل ہے، اور اگر شک، تردّد، توقّف یا تلبّث کیا تو یہ بھی انہی میں سے ہوگا؛ کیونکہ قائل سے کفریہ بات ثابت ہوئی، اور تردّد کرنے والے نے اس کی اتّباع اور تصدیق کی، چنانچہ وہ انہی میں سے ہے، تو ان قائلین اور اس قول پر توقف کرنے والوں پر زندیقیت کا حکم ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے ان کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود شک، تردّد، توقّف یا تلبّث سے کام لیا"۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ اس قسم کے کلمات کا جاننا فرضِ عین ہے؛ تاکہ اپنے ایمان کی حفاظت کی جاسکے، ممکن ہے کہ مولانا اعتراض کریں کہ: "پھر بہت سے لوگ ضروریاتِ دینی کو نہ جاننے کی وجہ سے کافر ہو جائیں گے"، ہم جواباً عرض کریں گے کہ: ناجاننا اَور ہے، اور انکار کرنا اور بات ہے، نہ جاننے کی وجہ سے کافر نہ ہوں گے، اور اس سلسلے میں وہی تاویل ہو گی

جو ایمانِ تقلیدی کے بارے میں کی گئی ہے، نیز فتوی دینا یا تکفیری فتوی کی تصدیق کرنا ہر ایک کا کام نہیں، فتوی کا مکلَّف وہی ہے جو اس کا اہل ہے، جیسا کہ علامہ ابو سعید خادمی قُونوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(فالواجبُ على كلِّ مَن يسمع مثلَ هذه الأقاويل الباطلة الإنكارُ على قائله)، إن كان من أهل الإنكار، إمّا بالنُّصح اللّين أو الغلظة أو الضرب على اختلاف الأحوال والأشخاص، وإن لم يكن من أهله، فبالقلب كما في سائر نهي المنكَر".

("البريقة شرح الطريقة المحمدية"، ١/ ١٤٧، مطبوعة وقف الأخلاص تركي).

ترجمہ: "اس قسم کے اقوال کو سننے والے پر واجب ہے کہ وہ ان کے قائلین کا رَد کرے اگر وہ اہلِ انکار میں سے ہو، نرم یا سخت انداز میں، نصیحت کر کے یا پٹائی کر کے، مختلف احوال واشخاص کے اعتبار سے، اور اگر وہ اہلِ انکار میں سے نہیں تو اسے اپنے دل میں بُرا جانے، جیسا کہ منکرات کا حکم ہے"۔

پھر مولانا نے چوتھی، پانچویں اور چھٹی لائن میں اپنی بات کی تائید میں عقلی دلیل دی کہ: "پھر تو تمام علماء کا تکفیر میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے"، اس کے جواب میں اوّل یہ کہوں گا کہ: تکفیر کے مسئلے میں اختلاف اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ لزومِ کفر کا مسئلہ ہو، ایسی صورت میں فقہاء تاویلِ بعید کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اس کی تکفیر کرتے ہیں، اور متکلمین تاویلِ بعید کا اعتبار کرتے ہوئے تکفیر سے منع کرتے ہیں، لیکن اگر التزامِ کفر کا مسئلہ ہو تو کسی کا اختلاف نہیں ہوتا، اسی قسم کے کفر کے بارے میں تمام علماء بشمول ان علماء کے جو تکفیر میں بہت احتیاط کرتے ہیں فرمایا: "مَن شكَّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر"، اور ابھی "حدیقہ" کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جو کوئی ایسی بات سنے، اس پر اس کا رَد لازم ہے، اور اس کے بطلان پر جزم کرے، اور اگر وہ اس میں شک یا توقف یا تلبث کرے تو وہ بھی انہیں میں سے ہے، ہاں اگر التزامِ کفر میں کسی مجتہد یا ثقہ فقیہ کا

اختلاف ہو تو مولانا ثبوت پیش فرمائیں!،اور اگر مولانا صاحب کہیں سے کوئی ضعیف روایت بھی پیش کر دیں تب بھی مسئلہ بدیہی رہے گا؛ کیونکہ بعض اوقات بداہت میں بھی عناد یا قصورِ فہم کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے، جیساکہ ہم نے ابتداء میں علامہ عبد العزیز پُرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا، لہذا مولانا کا یہ کہنا کہ: "پھر تو تکفیر میں علماء کا اختلاف نہیں ہوناچاہیے" سَراسَر غلط ہے؛ کیونکہ لزومِ کفر کی صورت میں اختلاف عام ہے،اور التزام کی صورت میں بھی قصورِ فہم یا عناد کی وجہ سے اختلاف کا اِمکان ہے۔

پھر مولانا فیض رسول صاحب اسی عبارت میں لکھتے ہیں:

"اور اگر کہاجائے کہ: "متعین کلمۂ کفر سرزد ہونے پر تکفیر کرناضرورتِ دینی اس وقت ہوتاہے جب کوئی محقق مفتی اس پر تکفیر کا فتوی جاری کرے"، تواس صورت میں لازم آئے گا کہ اس امر کاضرورتِ دینی ہونا مُحِقق مفتی کے فتوی دینے پر موقوف ہو، حالانکہ ضرورتِ دینی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر قرآنِ عظیم یاحدیثِ متواتر یااِجماعِ قطعی قطعی الدلالات واضحۃالافادات سے ثابت ہو،اور جوامر واقعۃًایساہو وہ کسی مُحِقق مفتی کے فتوی دینے پر موقوف نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ کسی مفتی کے فتوی دیے بغیر بھی ہر خاص وعام پر روشن ہوتاہے"۔

مولانا صاحب کے یہ الفاظ بھی بناءُ الفاسد علی الفاسد پر مشتمل ہیں؛ کیونکہ ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ قرآنِ عظیم یاحدیثِ متواتر یااِجماعِ قطعی قطعی الدلالات واضحۃالافادات کی ضرورت نفسِ ضرورتِ دینی کے ثبوت کے لئے درکار ہے، نہ کہ خارج میں کسی شخص کی تکفیر کے لئے،ورنہ دنیا میں ابو جہل اور ابو لہب کی تکفیر کے سِوا کسی کی تکفیر نہیں ہو سکتی، نہیں تکفیر تو کُجا بلکہ کسی کافر کا کفر بھی ثابت نہیں ہو سکتا، نہیں بلکہ کسی مسلمان کو مسلمان ماننا بھی ضروری نہیں رہے گا، پہلے بھی وضاحت کی جاچکی ہے کہ کسی کی نفسِ تکفیر ضرورتِ دینی نہیں ہوتی، بلکہ ضرورتِ دینی کے انکار کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے، چونکہ ایسے شخص کی تکفیر ضرورتِ دینی کے انکار کی وجہ

سے ہوتی ہے، لہذا اسے بھی ضرورتِ دینی کہہ دیا جاتا ہے،اور کسی شخص کا ضروریاتِ دین کا انکاری ہونا اسی وقت ظاہر ہوگا جب اس کا ہمیں علم ہو جائے،اور عام طور پر ضروریاتِ دینی کے انکار پر مبنی کفر کا اشتہار مفتی کے فتوی کے بعد ہوتا ہے،اور لوگ اسے جاننے لگتے ہیں، تو اس صورت میں جس شخص کو بھی عند الشرع ظاہری یقینی ذرائع سے اس کا علم ہو، اور وہ اہلِ انکار میں سے ہو مثلاً: عالم یا مفتی ہو، تو اس پر ایسے شخص کی تکفیر لازم ہے،اور جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو عند اللہ حکم ہے وہی میرا عقیدہ، پھر علماء سے اس حکم کی وضاحت کروا لے، جیسا کہ امامِ اعظم کے حوالے سے ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے،اسی حوالے سے علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أنّ التصديق بالمعلوم من الدّين بالضرورة لا يشترط التصديق به أو ببعضه تفصيلاً، إلاّ ممن علِمه تفصيلاً بأن تواتَر عنده، فلا بدّ من التصديق به، وإلاّ كان كافراً، وأمّا مَن لم يتواتر شيءٌ منه، فيكفيه التصديقُ الإجمالي؛ لما علمتَ من أنّ إنكارَه قبل التواتُر غير كفر". ("الفتاوى الحديثية"، صـ٢٦٨).

ترجمہ: "ضروریاتِ دین کی تصدیق کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ تفصیلی طور پر تصدیق ہو، ہاں جس کو تفصیلی علم ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تفصیلی طور پر تصدیق کرے، ورنہ کافر ہو جائے گا؛ کیونکہ جو چیزیں تواتر کے طور پر ثابت نہیں،ان سے متعلق اِجمالی تصدیق کافی ہے؛ اس لئے کہ غیر متواتر کا انکار کفر نہیں"۔

مذکورہ بالا گفتگو سے مولانا فیض رسول صاحب کے کلام کا فساد ظاہر ہے۔

پھر اسی صفحہ ۲۱ پر پہلے سوال کی تقریر میں مولانا صاحب نے "فتاوی رضویہ" میں "مقامع الحديد على خدِّ منطق الجديد" کے حوالے سے فلسفی کا ذکر کر کے امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے غور وفکر وتوقف کا دوبارہ ذکر کیا، الحمد للہ اس اِشکال کا تفصیلی جواب گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اس کے بعد اسی سوال نمبرا کی تقریر میں بناء الفاسد علی الفاسد کے مسئلے کو دہرایا کہ شخصِ معیّن کی تکفیر ضرورتِ دینی نہیں؛ کیونکہ اس کا کفر قرآنِ عظیم یا حدیثِ متواتر قطعیُ الدلالہ سے ثابت نہیں، اس کا جواب کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے، پھر اسی تقریر میں ایک بات کہی کہ :

"جو امرِ قطعی معتبر فی اصول الدین ہو، اس میں خطا واقع نہیں ہو سکتی، جبکہ شخصِ معیّن کی تکفیر کے سلسلہ میں بہت بڑا مجتہدِ مطلق بھی خطا کے اِمکانِ وقوعی سے مبرّا نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ مذہبِ اہل سنّتِ پر معصوم عن الخطا صرف انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ مقدّسہ ہیں"۔

جواب

مولانا صاحب کی یہ بات تو درست ہے کہ: "معصوم عن الخطا صرف انبیائے کِرام علیہم السلام کی ذواتِ مقدّسہ ہیں"، اور مولانا کی بات پر اضافہ کرتے ہوئے فرشتے بھی معصوم ہیں، لیکن مجتہدین کے متعلق اِمکانِ وقوعی کا ذکر کر کے یہ تاثر دینا کہ: "تکفیر میں خطا ہوسکتی ہے، لہذا تکفیری فتوی کی تصدیق کی حاجت، خواہ وہ ضرورتِ دینی کے انکار کی وجہ سے کی گئی ہو" سراسر غلط ہے؛ کیونکہ اس بات کو تسلیم کرنے سے ان تمام اَعلام کی تغلیط لازم آئے گی جنہوں نے کہا: "مَن شكّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر"، اور جنہوں نے کہا: "نكفِّر مَن لم يكفِّر"، اور جنہوں نے کہا: "فالواجبُ على كلِّ مَن يسمع مثلَ هذه الأقاويل الباطلة الإنكارُ على قائله". نیز مولانا صاحب نے اس اِمکانِ وقوعی کا مسئلہ صرف تکفیر تک کیوں محدود رکھا؛ کیونکہ یہ اِمکانِ وقوعی تو ہر مسئلے میں ہر مجتہد بلکہ ہر قاضی کو بھی لازم ہے، لہذا قضا باطل، اَحکامِ شرعیہ معطل؛ کیونکہ قاضی حدود وقصاص یا دیگر معاملات میں کوئی فیصلہ کرے گا تو اس میں اِمکانِ وقوعی کا شبہ ہونے کی وجہ سے عمل لازم نہیں، بلکہ عمل کرنا بھی جائز نہ ہوگا، بہر حال مولانا صاحب کے اس اِمکانِ وقوعی کی وجہ سے شریعت کے تمام نہیں تو بہت سے معاملات میں عمل باطل ہو جائے گا، راقم الحروف مولانا

صاحب کے اس اِمکانِ وقوعی کا جواب "فتاوی رضویہ" کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکا ہے کہ: "اگر خطا کا احتمال ناشی عن دلیل ہو تو اس کا اعتبار ہے، اور اگر بلا دلیل ہو، جیسے خطا اِمکانِ وقوعی تو، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور اس قسم کا احتمال قطعیت کو زائل نہیں کرتا"، تو ظاہر ہو گیا کہ مولانا کا خطا کے اِمکانِ وقوعی کا حیلہ کر کے تکفیری مسئلے کی تصدیق سے روکنا غلط ہے!۔

پھر اسی پہلے سوال کی تقریر میں لکھا:

"دیکھئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وأجمع علماء وَقْتِهِمْ عَلَى صَوَابِ فِعْلِهِمْ وَالْمُخَالِفُ فِي ذَلِكَ مِنْ كُفْرِهِمْ كَافِرٌ وَأَجْمَعَ فُقَهَاءُ بَغْدَادَ أَيَّامَ الْمُقْتَدِرِ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ، وَقَاضِي قُضَاتِهَا أَبُو عُمَرَ الْمَالِكِيُّ عَلَى قَتْلِ الْحَلَّاجِ وَصَلْبِهِ لِدَعْوَاهُ الْإِلَهِيَّةَ وَالْقَوْلِ بِالْحُلُولِ وَقَوْلِهِ أَنَا الْحَقُّ مَعَ تَمَسُّكِهِ فِي الظاهر بالشريعة ولم يقبلوا توبته وَكَذَلِكَ حَكَمُوا فِي ابْنِ أَبِي الْعَزَاقِيرِ، وَكَانَ عَلَى نَحْوِ مَذْهَبِ الْحَلَّاجِ". ("الشفاء"، الجزء الثاني، صـ٢٥٨).

ترجمہ اوپر مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

اب مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں بتایئے کہ کیا علمائے بغداد کا مذکورہ بالا اِجماعی فتوی شبہ وخطا سے بالاتر ہو کر قطعی اور ضرورتِ دینی بن سکتا ہے؟، حالانکہ وہ ہم سے علم میں بھی بہت زیادہ تھے، اور منصور حلاّج کے احوال سے بھی زیادہ واقف تھے!"۔

جواب

مولانا نے عربی کی جو عبارت "شفاء شریف" سے نقل کی ہے اس میں کچھ غلطی ہو گئی ہے؛ کیونکہ مذکورہ عبارت کا پہلا جملہ یوں لکھا: "وأجمع علماء وَقْتِهِمْ عَلَى صَوَابِ فِعْلِهِمْ وَالْمُخَالِفُ فِي ذَلِكَ مِنْ كُفْرِهِمْ كَافِرٌ"، ترجمہ: "اور ان کے زمانے کے تمام علماء نے اپنے کام (فتویٰ) کی درستگی اور ان کے کفر میں مخالفت کرنے والے کے کفر پر اجماع کر لیا تھا"، اس جملے سے

یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا حضرت منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے تمام علماء نے منصور حلاّج کی تکفیر نہ کرنے والے کے کفر پر اجماع کر لیا تھا، حالانکہ ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے؛ کیونکہ یہ جملہ حضرت منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق نہیں، بلکہ منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر سے پہلے دعویٔ نبوّت کرنے والوں کی تکفیر کا ذکر تھا، اور انہی لوگوں کے بارے قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملہ لکھا، اس جملے کا تسلسل کچھ یوں ہے: "وَقَدْ قَتَلَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ الْحَارِثَ الْمُتَنَبِّي وَصَلَبَهُ وَفَعَلَ ذَلِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ من الخلفاء والملوك بأشباههم وأجمع علماء عَلَى صَوَابِ فِعْلِهِمْ وَالْمُخَالِفُ فِي ذَلِكَ مِنْ كُفْرِهِمْ كَافِرٌ".

("الشفاء"، الجزء الثاني، صـ٢٥٧، ٢٥٨).

ترجمہ: "اور بے شک عبد الملک بن مروان نے نبوت کے جھوٹے دعویدار حارث کو قتل کیا، سُولی پر لٹکایا، دیگر خلفاء اور بادشاہوں نے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا، اور ان کے زمانے کے تمام علماء نے اپنے کام (فتویٰ) کی درستگی اور ان کے کفر میں مخالفت کرنے والے کے کفر پر اجماع کر لیا تھا"۔

اور نبوت کے دعویدار کی تکفیر کافر ہی نہیں کرے گا، جبکہ مسلمان پر فرض ہے کہ ایسے شخص کو کافر جانے، بہر حال منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس جملے کو ذکر کرنا قاری کو مغالطے میں ڈال سکتا تھا؛ کیونکہ اس کے الفاظ "فتاوی حسام الحرمین" کے مثل ہیں، اور مدّعیٔ نبوّت کی تکفیر نہ کرنے والا ضرور کافر ہے، اس لئے راقم الحروف نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا، اس کے بر عکس منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دیگر بلادِ اسلامیہ تو دُور کی بات ہے، خود علمائے بغداد میں سے صرف مالکی فقہاء نے قتل کا فتوی صادر کیا، بلکہ امام قاضی عیاض نے ان کے کفر کا بھی ذکر نہیں کیا، جیسا کہ مولانا فیض رسول صاحب کی لکھی ہوئی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس میں کہیں بھی منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے کفر کا ذکر نہیں، نیز منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غیر تو

کُجا،خود قتل کافتوی دینے والوں نے بھی مَن شكّ في كفرِہ وعذابِہ فقد كفر کا قول نہیں کیا، اور خود منصور حلاّج رحمۃاللہ علیہ نے توبہ بھی کی، جیساکہ مذکورہ بالا عبارت میں مذکور ہے، لہذا مولانا فیض رسول صاحب کیسے انہیں ناتوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی یا قادیانی کے کفر پر قیاس کر سکتے ہیں؟!، منصور حلاّج رحمۃاللہ علیہ کے کفر میں ظاہراً بھی تاویل تھی کہ وہ حالتِ سُکر میں تھے،اوران کی مثال شجرِ موسوی کی سی تھی،اس درخت سے ظاہر ہونے والے قول کی حکایت خود ربِ کائنات نے قرآنِ مجید میں کی کہ: ﴿يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾، جبکہ امامِ غزالی نے تاویل بیان کی کہ أنا الحقّ سے مراد میں سچا ہوں،بلکہ "شفاء شریف" کے شارحین علامہ خفاجی اور علامہ علی قاری دونوں ہی بزرگوں نے ان کی ولایت کو بیان کیا، اور خوب تعریف کی،ہاں یہ اِشکال رہ جاتا ہے کہ مالکی فقہاء نے توبہ کرنے کے باوجود کیوں قتل کافتوی صادر کیا؟،راقم الحروف کی رائے میں اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سیّدنا امام مالک رحمۃاللہ علیہ کی جانب منسوب ایک روایت کے مطابق ایسے مرتد سے توبہ نہیں قبول کی جائے گی جو اسلام پر پیدا ہوا ہو، جیساکہ علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

"حكى الشافعي عن بعض أهل المدينة وأظنه مالكاً أن المولود على الإسلام لا تقبل توبته إذا ارتد".

(باب حكم المرتد من "الحاوي الكبير"، صـ۳۵ مطبوعة مطبعة المدني مصر).

ترجمہ: "امام شافعی رحمۃاللہ علیہ نے بعض اہلِ مدینہ سے حکایت کی ہے(میرے گمان میں وہ امامِ مالک رحمۃاللہ علیہ ہیں) کہ: جواسلام پرپیداہوا، مرتد ہونے کی صورت میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی"۔

اسی پہلے سوال کی تقریر میں مولانا نے مزید لکھا:

"مزید دیکھئے کہ ہمارے اکابرینِ اہلِ سنّت کی تصانیف میں، "فتاوی رضویہ" میں اور ہماری کتبِ اصول فقہ کے باب السنّۃ میں تصریح ہے کہ حدیثِ مشہور کا منکر کافر نہیں؛ کیونکہ اس میں ثبوت کی جہت سے خطا کا شبہ موجود ہے، اسی طرح ہماری کتبِ اصول کے باب الاِجماع سے ثابت ہے کہ اگر دورِ صحابہ علیہم الرضوان کے بعد کسی زمانہ کے تمام آئمۂ مجتہدین کسی مسئلۂ حادثہ پر اِجماع کر لیں، تب بھی اس کے انکار پر تکفیر نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ یہ اِجماعی مسئلہ بھی قطعی معتبر فی اصول الدین نہیں، اھ"۔

مذکورہ بالا دونوں مثالیں اَحکامِ شرعیہ کے انکار سے متعلق ہیں، یعنی اَحکامِ شرعیہ کے انکار کی صورت میں بندہ کافر اسی صورت میں ہوگا جب ان اَحکام کا ثبوت قطعی ہو، اور ان اَحکام میں قطعیت من حیث الثبوت تواتر ہی سے آتی ہے، لہذا ان پر منکر ضروریاتِ دین کی تکفیر کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے؛ کیونکہ منکر ضروریاتِ دین کے انکار کے ثبوت کے لئے قطعیت کافی ہے، خواہ وہ براہِ راست سن کر، یا دیکھ کر حاصل ہو، یا تواتر سے، یا کسی اور ذریعے سے، اس قسم کے شبہات کا جواب ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں، مولانا صاحب اپنے مطلب کی بات تو فوراً لے لیتے ہیں، مگر درج ذیل نصوص کو کیسے بھول گئے جن میں تکفیر کے لئے ہر گز وہ قیود نہیں لگائی گئیں جو مولانا لگا رہے ہیں؟!، ان عبارات میں خبرِ مشہور تو کیا، مطلقاً حدیث شریف، بلکہ موضوع حدیث کے انکار پر تکفیر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

امام ابنِ حجر ہیتمی لکھتے ہیں:

"ردّ حديثه ﷺ إن كان من حيث السَّنَد فلا كفر به مطلقاً، أو من حيث نسبته له ﷺ كفر مطلقاً كما هو ظاهرٌ فيهما".

("الإعلام بقواطع الإسلام"، الفصل الثاني في الاختلاف، ص۳۹، مکتبۃ حقیقیۃ، ترکی).

ترجمہ: "حضور ﷺ کی حدیث کی تردید من حیث السند ہو تو مطلقاً کفر نہیں، اور اس قول کے آپ ﷺ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے ہو تو مطلقاً کفر ہے، جیسا کہ دونوں باتیں واضح ہے"۔ امامِ اہلِ سنّت فرماتے ہیں:

"أمّا إذا علم منه أنّه يعلم مجيئ النّبي ﷺ بهذا الأمر ثمّ ينكره تكذيباً له فهو كافرٌ عند الله قطعاً، وإن كان الحديثُ حديث آحادٍ، ولو ضعيفاً، بل ولو ساقطاً، بل ولو موضوعاً كما قدّمنا؛ لأنّ المناطَ هو تكذيبُه بزعمه رسول الله ﷺ، وإن لم يكن ما زعمه قول رسول الله ﷺ قوله ﷺ في الواقع، وهذا ظاهرٌ جدّاً".

("المعتمد المستند"، صـ۲۱۱).

ترجمہ: "اگر اس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ جانتا تھا کہ اس امر کو نبی علیہ الصلاۃ والسلام لائے ہیں، پھر وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کے لئے انکار کرتا ہے، تو عند اللہ قطعی کافر ہے، اگرچہ وہ خبرِ واحد ہو، اگرچہ ضعیف، بلکہ ساقط، بلکہ موضوع ہی ہو، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں؛ کیونکہ اس نے اپنی دانست میں حضور ﷺ کی بات کو جھٹلایا، اور مدارِ کفر یہی ہے، اگرچہ اس نے جس بات کو حضور کی بات سمجھ کر جھٹلا، یا نفس الامر میں حضور کی بات نہیں، اور یہ بالکل واضح ہے"۔

لہذا اگر کسی منکر ضروریاتِ دین کے انکار کا ثبوت خارج میں پائے جانے والے یقینی ذریعہ سے ہو جائے مثلاً: زَید نے خود اپنی زندگی میں ایسی بات کہی جس میں ضرورتِ دینی کا انکار ہو، اور پھر اسے لکھ کر چھاپے، اور کوئی اس کا رَد کرے، تو اس پر زَید دلائل دے، نیز زَید کا اس عبارت سے نہ انکار ثابت ہو، نہ توبہ مسموع ہو، بلکہ زَید کی تکفیر کا منکر بھی اقرار کرے کہ: "زَید نے بہت بُری بات لکھی ہے"، تو اب زَید کی تکفیر کے منکر کے نزدیک ثبوت کی جہت سے کون سا شبہ باقی رہ گیا؟، بلکہ اس عبارت کو زَید کی طرف منسوب کر کے منکر تو خود گواہی دے

رہاہے کہ: "زَید کا یہ کلام اس کے نزدیک ثابت ہے"، چنانچہ مولانا فیض رسول صاحب کی یہ تاویلات اسی وقت چل سکتی تھیں جبکہ ثبوت کی جہت سے کوئی شبہ ہوتا!۔

پھر اسی پہلے سوال کی تقریر میں لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ہونا قطعی الدلالہ حدیثِ مشہور سے ثابت ہو، یا زمانۂ صحابہ کے بعد کسی زمانہ کے آئمۂ مجتہدین کے اِجماع سے ثابت ہو، تو بھی اس کے منکر کی تکفیر درست نہیں، تو اس سے واضح ہوا کہ تکفیرِ شخصی کے ضرورتِ دینی ہونے کی شرطِ اوّل مفقود ہے، شرطِ ثانی کے مفقود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کلمۂ کفر سرزد ہونے پر جس شخصِ معیّن کی تکفیر کی جائے گی، اس کا ہر عام و خاص کو علم ہونا محالِ عادی ہے، دیکھئے کتنے ایسے مسائل ہیں جو قطعی ہیں، اور عرب و عجم کے علمائے کِرام و مفتیانِ عظام ہمیشہ سے انہیں لکھتے اور بیان کرتے چلے آئے ہیں مثلاً: بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو سُدس ملنا، نکاح معتدہ کی حُرمت وغیرہ، مگر اس کے باوجود بھی یہ ضروریاتِ دین نہیں ہیں؛ کیونکہ ہر عام و خاص کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

چنانچہ محمد بن احمد شہاب الدین رملی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں: "أمّا ما لا يعرفه إلا الخواص كاستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الصلب وكحرمة نكاح المعتدة للغير وما لمنكره أو لمثبته تأويل غير قطعي البطلان كما مر في النكاح أو بعد عن العلماء بحيث يخفى عليه ذلك فلا كفر بجحده؛ لأنه ليس فيه تكذيب وما نوزع به في نكاح المعتدة من شهرته يرد بمنع ضروريته؛ إذ المراد بها ما يشترط في معرفته العام والخاص ونكاح المعتدة ليس كذلك إلا في بعض أقسامه وذلك لا يؤثر".

("نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج"، كتاب الردة).

پس معلوم ہوا کہ تکفیرِ شخصی کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے کی شرطِ ثانی بھی مفقود ہے، اب بتائیں کہ تکفیرِ شخصی کے ضروریاتِ دین ہونے کے سلسلہ میں دونوں شرطوں کے مفقود ہونے کی

جو تفصیل اوپر گزری ہے وہ درست ہے یا کہ نہیں؟، اگر نہیں تو پھر تکفیرِ شخصی کے ضرورتِ دینی بننے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کا دلائل قطعیہ سے موجود ہونا ثابت فرمائیں!"۔

اس عبارت میں مولانا نے تکفیرِ شخصی کرنے کے لئے ان ہی دو باتوں کا اعادہ کیا ہے جن کا ذکر بار بار کر چکے ہیں: (۱)اوّل یہ اس کا کفر قرآن کی کسی محکم و مفسَّر آیت یا حدیثِ متواتر قطعی الدلالہ یا اِجماع الصحابہ قطعی الدلالہ سے ثابت ہو۔ (۲) نیز اس کے کفر کی شہرت اتنی ہو کہ ہر خاص وعام اسے جانتا ہو، گزشتہ سطور میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ: یہ دونوں شرائط ضروریاتِ دینی کے ثبوت کے لئے ہیں، نہ کہ خارج میں کسی کافر کی تکفیر کے لئے؛ کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اگر یہی شرائط خارج میں پائے جانے والے معاملات پر کیا جائے تو پھر شریعت معطل اور قضا ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس خارج میں پائے جانے والے معاملات میں علمِ قطعی کی ضرورت ہے، اور وہ قرآن کی محکم و مفسَّر آیت، قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر میں محصور نہیں، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مثالوں سے واضح کیا جا چکا ہے، جہاں تک مولانا صاحب کا یہ کہنا کہ: "دیکھئے کتنے ایسے مسائل ہیں جو قطعی ہیں، اور عرب و عجم کے علمائے کِرام و مفتیانِ عظام ہمیشہ سے انہیں لکھتے اور بیان کرتے چلے آئے ہیں مثلاً: بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو سُدس ملنا، نکاح معتدہ کی حُرمت وغیرہ، مگر اس کے باوجود بھی یہ ضروریاتِ دین نہیں ہیں؛ کیونکہ ہر عام وخاص کو ان کا علم نہیں ہوتا" اپنے اِطلاق پر درست نہیں؛ کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر منکر کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ قرآنِ عظیم یا حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے تو وہ ضرور کافر ہے، حالانکہ منکر کے علم میں آجانے سے وہ بات متواتر نہیں ہو جاتی، لیکن پھر بھی علماء نے اس کی تکفیر کی، علامہ شامی "ردالمحتار" میں، امام ابن حجر "فتاوی حدیثیہ" میں اور علامہ فضلِ رسول "المعتقد والمنتقد" میں بالفاظِ متقاربۃ رقم طراز ہیں، واللفظُ للعلاّمة فضل رسول البدايوني رحمة الله عليه:

"وأمّا ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حدَّ الضرورة، كاستحقاق بنت الابن السُدس مع البنت الصلبية بإجماع المسلمين، فظاهر كلام الحنفية الإكفارُ بجحده؛ فإنّهم لم يشرطوا في الإكفار سِوى القطع في الثّبوت، لا بلوغ العلم به حدّ الضرورة، ويجب حملُه على ما إذا علم المنكر ثبوته قطعاً؛ لأنّ مناطَ التكفير وهو التكذيب أو الاستخفاف بالدّين، إنّما يكون عند ذلك، أمّا إذا لم يعلم فلا، إلاّ أن يذكرَ له أهل العلم ذلك، أي: إنّ ذلك الأمر من الدّين قطعاً، فيتمادى فيما هو فيه عناداً فيحكم في هذا الحال بكفره لظهور التكذيب". ("المعتقد المنتقد"، صـ٢١٢).

ترجمہ: "رہا وہ جو قطعی طور پر ثابت ہے، ضروری دینی ہونے کی حد تک نہ پہنچا، جیسے بنت الابن (پوتی) صلبی دختر کے ساتھ چھٹے حصے کا باجماعِ مسلمین مستحق ہونا، توکلامِ حنفیہ کا ظاہر یہ ہے کہ ایسے مسئلے کے انکار کے سبب منکر کافر ٹھہرے گا؛ اس لئے کہ حنفیہ نے کافر قرار دینے میں مسئلے کے قطعی الثبوت ہونے کے سوا کوئی شرط نہیں لگائی، اس مسئلے کا علم ضروری ہونے کی حد تک حنفیہ شرط نہیں لگاتے، اور اس طور کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے، جبکہ منکر اس مسئلے کا قطعی طور پر ثابت ہونا جانے، اس لئے کہ تکفیر کا دار ومدار تکذیب اور دین کی توہین پر ہے، وہ تو اسی صورت میں موجود ہوگا، اور اس مسئلے کا ثبوت اس کو معلوم نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا، مگر جبکہ اہلِ علم اس کو یہ بتائیں کہ یہ مسئلہ یقیناً دین سے ہے، پھر بھی جس حالتِ انکار میں تھا وہ عناداً اسی پر رہے، تو اس حالت میں تکذیب کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کے کافر ہونے کا حکم ہوگا"۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن اسی عبارت کی تعلیق میں ارشاد فرماتے ہیں:

"أقول: وحَقُّ التحقيق ما أشرنا إليه مراراً من الفرق بين الكفر والإكفار، فالكفر يتحقّق عند الله تعالى بتحقيق التكذيب، أو الاستخفاف، ولا يشترط معه ثبوتٌ أصلاً، فضلاً عن القطع، فضلاً عن الضرورة، والإكفارُ لا يجوز إلاّ إذا تحقّق لنا

قطعاً أنّه مكذِّب، أو مستخفٍ، ولا قطع إلاّ في الضّروريات؛ لأنّ في غيرها له أن يقولَ: لم يثبت عنده، أمّا إذا أقرّ بالثبوت ثمّ جحد فقد علم التكذيبُ، ولا وجهَ حينئذٍ للتوقّف في الإكفار؛ لحصول العلم بوجود المدار، فالحقُّ مع الحنفية على هذا الوجه الذي قرّرنا فاحفظ؛ فإنّه مهمٌّ". ("المعتمدالمستند"، صـ٢١٢).

ترجمہ: "اور حقِ تحقیق کفراور تکفیر میں وہ فرق ہے جس کی طرف ہم نے بارہا اشارہ کیا، تو کفر اللہ کے نزدیک تکذیب یا اِہانت کے تحقق سے متحقق ہوگا، اوراس کے ساتھ اصلاً ثبوت کی شرط نہیں، چہ جائیکہ قطعی ہونے کی، چہ جائیکہ ضروری ہونے کی،اور تکفیر اسی صورت میں درست ہے جبکہ ہمیں ہمارے نزدیک یقینی طور پر ثابت ہو کہ وہ شخص جھٹلانے والا، یا توہین کرنے والاہے،اور یقین ضروریات کے سِوا کسی چیز میں نہیں؛اس لئے کہ غیر ضروریات میں اس کو یہ کہہ سکتاہے کہ: "یہ مسئلہ میرے نزدیک ثابت نہیں"،اور رہی وہ صورت جبکہ ثابت ہونے کا اقرار کرے پھر منکر ہو جائے، تو بے شک اس کا جھٹلانا معلوم ہو چکا، اوراس وقت تکفیر میں توقف کی کوئی وجہ نہیں؛اس لئے کہ مدارِ تکفیر کا علم موجود ہو لیا، تو حق اس وجہ پر جس کی ہم نے تقریر کی حنفیہ کے ساتھ ہے، تواس نکتے کو یادرکھو؛اس لئے کہ یہ اہم ہے"۔

عباراتِ علماء سے ظاہر ہوا کہ اگر کوئی کسی ضرورتِ دینی یا قطعی بات کا علم ہونے کے باوجود تکذیب یا استخفاف کرے،اوراس میں تاویلِ بعید کا بھی احتمال نہ ہو، نیز اس کاانکار یا تکذیب ہمارے نزدیک قطعی ذرائع، مثل حواسِ سلیمہ، یا بدیہیات، یاعند الشرع معتبر گواہیوں، یا خبرِ متواتر سے ثابت ہو جائے تو ایسے شخص کی تکفیر لازم ہے، اور جو شخص ایسے شخص کی تکفیر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ یاتو وہ خوداسی بات کا قائل ہے، یااس کے نزدیک ایمان وکفر برابر ہے،اگرچہ ظاہراً وہ شخص پارسا بنتا ہو۔

سوال نمبر ۲

مولانا فیض رسول صاحب نے سوال نمبر ۲ کے تحت لکھا:

"سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "فتاوی رضویہ" جلد ۶ صفحہ ۷۰۹ تا ۷۱۰ میں "بخاری"، "مسلم"، "ابو داؤد"، "ترمذی"، "مسندِ احمد"، "موطا امام مالک" وغیرہ کتبِ معتبرہ کی احادیثِ صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح "فتاوی رضویہ" جلد ۶ صفحہ ۷۱۱ تا ۷۱۴ میں ثابت کیا ہے کہ جو کسی مسلمان کو اعتقاد کے ساتھ کافر کہے وہ عند الفقہاء خود کافر ہے، لیکن "فتاوی رضویہ" جلد ۶ صفحہ ۷۱۴ میں "مواقف" کے حوالہ سے بتایا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا عند المتکلمین بالاِجماع کافر نہیں ہے، اھ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا مسلمان ہونا قطعی الدلالہ آیتِ قرآنی یا قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر یا قطعی الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابۃ سے ثابت نہ ہو، اس کا مسلمان ہونا ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مسلمان کو کافر کہنے والا عند المتکلمین بالاِجماع کافر نہیں ہے"۔

"فتاوی رضویہ" کے حوالے سے ذکر کی گئی عبارات سے ہر گزوہ ثابت نہیں ہوتا جو مولانا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ حق اور لازم ہے کہ اگر کوئی اپنے اسلام کا اقرار کرے اور کوئی قرینہ صارفہ بھی نہ ہو، تو اس کو مسلمان ماننا لازم ہے، ورنہ اس کے ایمان کو کفر جاننے کی وجہ سے عند الفقہاء منکر خود کافر اور عند المتکلمین کفر کے نزدیک ہو جائے گا، نیز ابھی پیچھے سن آئے ہیں کہ باطل کا انکار حق ہے، جس طرح حق کا انکار باطل ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً﴾. (پ۵، النساء: ۹۴).

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو، اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں!، تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں ہیں،

پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

یہ آیتِ طیبہ صاف بیان کر رہی ہے کہ مسلمان کو مسلمان ماننا ضروری ہے، ملّاجیون رحمۃ اللہ علیہ اسی کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: "أنّها تدلّ على أنّه يكتفي من المؤمن بمجرّد كلمة الشّهادة من غير اطّلاعٍ على ما في قلبه".

("التفسيرات الأحمدية"، صـ۳۰۲، مکتبۂ حقانیہ پشاور).

ترجمہ: "یہ آیتِ مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ مؤمن کے ثبوت کے لئے صرف کلمۂ شہادت کی گواہی کافی ہے، خواہ اس کے دل کی بات کی اطلاع نہ ہو"۔

نیز آیتِ طیّبہ میں امر ہے: ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ جس کا تقاضا ہے کہ قتل سے پہلے تحقیق کرلے کہ وہ مؤمن ہے یا کافر، اگر صحابہ کے زمانے میں یا ہمارے زمانے میں اس کے ایمان کی تحقیق کریں، تو کیا اس کے لئے قطعی الدلالہ آیتِ قرآنی، یا قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، یا قطعی الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابۃ ڈھونڈنے جائیں گے؟!، حالانکہ دورانِ جنگ تو یہ بات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو بھی میسّر نہ تھی، تو ہمیں کیسے میسّر آسکتی ہے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! کیا اللہ تعالی نے ایسا حکم دے دیا جس پر ہمیں تو کیا خود صحابۂ کِرام کے لئے بھی عمل ممکن نہ تھا؟!۔

نیز ذرا "بخاری شریف" و"مسلم شریف" کی حدیث ملاحظہ کریں کہ کس طرح آپ کے اِشکال کی تغلیط کر رہی ہے: روى عبيد الله بن عدي بن الخيار أنّ المقداد بن عمرو الكندي قال: يا رسول الله! أرأيت إن لقيتُ رجلاً من الكفّار فقاتَلني، فضرب إحدى يدي فقطعها، ثمّ لاذَمَني لشجرةٍ فقال: أسلمتُ لله!، أقتله يا رسول الله بعد أن قالها؟ قال: «لا تقتله، فإن قتلتَه فإنّك بمنزلته قبل أن يقول كلمته وهو بمنزلتك قبل أن تقتله».

ترجمہ: "عبید اللہ بن عدی بن خیار نے روایت کی کہ مقداد بن عمرو کندی نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کیا حکم فرماتے ہیں اس بارے میں کہ اگر کوئی کافر مجھ سے قتال کرے اور وہ میرے ہاتھ پر وار کر کے کاٹ ڈالے، پھر ایک درخت کی ڈھال لے کر مجھ سے بچنے کی کوشش کرے اور کہے کہ: "میں مسلمان ہوتا ہوں"، کیا میں اسے اس قول کے بعد قتل کر سکتا ہوں؟، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم اسے قتل نہیں کر سکتے، اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو تم اس کے درجے میں ہو جاؤ گے جیسا کہ وہ یہ کلمہ کہنے سے پہلے تھا، اور وہ تمہارے درجے میں ہو جائے گا، جیسا کہ قتل کرنے سے پہلے تمہارا درجہ تھا"۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے ایمان کی تصدیق کرنا، یعنی مسلمان کو مسلمان جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور اس کے ثبوت کے لئے کسی قطعی الدلالہ آیتِ قرآنی، یا قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، یا قطعی الدلالہ اجماعِ قطعی للصحابۃ کی ضرورت نہیں ہے، اسی آیتِ طیبہ کی تفسیر میں مفسّرین نے درج ذیل روایت بھی لکھی:

بعث رَسُول الله ﷺ محلم بن جثامة مبعثاً، فَلَقِيَهُمْ عَامر بن الأضبط، فَرَمَاهُ محلم بِسَهْم فَقتله، فجَاء الْخَبَر إِلَى رَسُول الله ﷺ، فجَاء محلم فِي بردين، فَجَلَسَ بَين يَدي النَّبِي ﷺ ليَسْتَغْفِر لَهُ فَقَالَ: لَا غفر الله لَك، فَقَامَ وَهُوَ يتلَقَّى دُمُوعه ببرديه، فَمَا مَضَت بِهِ سَاعَة حَتَّى مَاتَ ودفنوه، فلفظته الأَرْض، فجاؤوا النَّبِي ﷺ، فَذكرُوا ذَلِك لَهُ فَقَالَ: إِن الأَرْض تقبل من هُوَ شَرّ من صَاحبكُم وَلَكِن الله أَرَادَ أَن يعظكم، ثمَّ طرحوه فِي جبل وألقوا عَلَيْهِ الْحِجَارَة، فَنزلت ﴿يَا أَيهَا الَّذين آمنُوا إِذا ضَرَبْتُمْ﴾... الأية. ("الدر المنثور"، النساء، تحت الآية: ٩٤، ٢/ ٦٣٣، دار الفكر بيروت).

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے محلم بن جثامہ کو ایک سریہ (جنگ) میں روانہ کیا، ان لوگوں کو عامر بن اضبط ملے (دیگر روایات میں آیا کہ یہ مسلمان تھے اور انہوں نے سلام بھی کیا)، محلم

نے انہیں تیر مار کر قتل کر دیا، نبی کریم ﷺ تک اس کی اطلاع پہنچی، پھر محلم دو چادریں پہنے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے؛ تاکہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تمہیں معاف نہ کرے"، وہ کھڑے ہوگئے اس حال میں کہ ان کے آنسو ان کی چادر پر گر رہے تھے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے انہیں دفن کیا تو زمین نے انہیں باہر پھینک دیا، لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات ذکر کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک زمین تو اِن سے زیادہ بُرے لوگوں کو بھی قبول کر لیتی ہے، مگر اللہ تعالی نے تم لوگوں کو نصیحت فرمانے کا ارادہ فرمایا ہے"، پھر لوگوں نے انہیں ایک پہاڑ پر ڈال دیا کر ان پر پتھر ڈال دیئے، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيهَا الَّذين آمنُوا إِذا ضَرَبْتُمْ﴾... الآیۃ۔

اب فیضِ رسول صاحب بتائیں کہ اگر مسلمان کو مسلمان ماننا ضروری نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے محلم کے معاملے میں اتنی سختی کیوں فرمائی؟، نیز ان کی میّت کے ساتھ اتنا عبرتناک واقعہ کیوں پیش آیا؟۔

پھر مولانا اسی سوال نمبر ۲ میں لکھتے ہیں:

"اب عرض یہ ہے کہ جس کا کافر ہونا قطعی الدلالہ آیت، یا قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، یا قطعی الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابۃ سے ثابت نہ ہو، ایسے کافر کو جو شخص مسلمان کہے وہ عند المتکلمین بالاِجماع کافر ہوگا یا کہ نہیں؟!، اور اگر وہ عند المتکلمین کافر ہے تو پھر مسلمان کو کافر کہنے والا عند المتکلمین کافر کیوں نہیں؟!"۔

قطعاً یقیناً کافر ہوگا، جو شخص بھی کافر کے کفر کو جاننے کے باوجود اسے مسلمان شمار کرے وہ عند المتکلمین بھی کافر ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ کافر وہی ہوتا ہے جس کا دین کفر ہو، اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہو سکیں، امامِ اہلِ سنّت لکھتے ہیں:

"فإنّ الكفرَ والإسلام على طرفَي النقيض بالنِّسبة إلى الإنسان لا يجتمعان أبداً ولا يرتفعان قال تعالى: ﴿إِمَّا شَاكِراً وَّإِمَّا كَفُوراً﴾ [پ٢٩، الدهر: ٣]، وقال تعالى: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ﴾" [پ٢١، الأحزاب: ٤].

("الفتاوى الرضوية"، ٦/ ٧١٢).

ترجمہ: "کیونکہ کفر اور اسلام ایک انسان کی بنسبت نقیض کی دو طرفوں پر ہیں، نہ تو یہ ہمیشہ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مرتفع، اللہ تعالی کا ارشادِ گرامی ہے: "یا وہ شاکر ہوگا یا کافر"، دوسرے مقام پر فرمایا: "اور ہم نے ایک آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے"۔"

اب جو یہ شخص مثلاً: زَید کافر کو مسلمان کہتا ہے، اس کے یہ معنی کہ اس کا دین اسلام ہے، جبکہ زَید فی الواقع بے شک کفر مثلاً: عیسائیت سے متصف ہے، جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا، تو لاجَرم یہ خاص اسی دین کو اسلام بتا رہا جس سے زَید اتصاف رکھتا ہے، اور وہ دین نہیں مگر کفر، تو بالضرورۃ اس نے کفر کو اسلام ٹھہرایا، اور جو کفر کو اسلام قرار دے قطعاً کافر۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ: "متکلمین نے مسلمان کو کافر کہنے والے کو کافر کیوں نہیں کہا؟"، تو اس کی وجہ بعض روایات ہیں جن میں ایسے شخص کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ کفر کے نزدیک ہوا، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رہا معاملہ احادیث کا تو وہ محققین کے ہاں مؤوّل ہیں، اپنے ظاہر پر نہیں، جیسا کہ شارحینِ کِرام نے ذکر کیا ہے۔ **اقول:** سب سے قوی دلیل نبیٔ کریم ﷺ کا گزشتہ (حدیث) میں ارشادِ گرامی ہے کہ: وہ کفر کے زیادہ قریب ہے"، آپ ﷺ نے اسے کافر نہیں فرمایا، قریبِ کفر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل اللہ تعالی کے سامنے جرأت ودلیری ہے؛ کیونکہ ان جیسے الفاظ سے بعض اوقات کفر مراد ہوتا ہے، ربّ العالمین اپنی پناہ عطا فرمائے۔ ("الفتاوى الرضوية"، ٦/ ٧١٧).

کیوں مولانا صاحب! پتا چلا کہ متکلمین کے نزدیک مسلمان کو کافر کہنے والا احادیث کے مؤوّل ہونے کی وجہ سے کافر نہیں، اس کے برعکس کافر کو مسلمان کہنے والا ضرور کافر ہے؛ کہ اس باب میں کوئی مؤوّل احادیث نہیں۔

مولانا فیض رسول صاحب صفحہ ۲۳ پر تیسرا سوال ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"سوال نمبر۳: سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ "فتاوی رضویہ" جلد ۶ صفحہ ۱۷ میں فرماتے ہیں: "کیا آپ جانتے نہیں کہ خوارج (اللہ انہیں رُسوا کرے) نے امیر المؤمنین مولائے مسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا، پھر وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں، جیسا کہ اس پر "درِ مختار"، "البحر الرائق"، "رد المحتار" اور دیگر معتبر کتب کی تصریح ہے، اھ۔

اب عرض یہ ہے کہ وہ علی المرتضی کرّم اللہ وجہہ الکریم جن کے فضائل ومناقب پر تمام متکلمین، مجتہدین، فقہائے کِرام، علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین متفق ہیں، جب ان کے مخالف خوارج کی تکفیر نہیں کی گئی، تو پھر وہ شخص جس کے کفر کی قطعیت وشہرت واتفاقیت علی المرتضی کرّم اللہ وجہہ الکریم کے اسلام کی قطعیت وشہرت واتفاقیت سے بھی کئی گنا کم تر ہو، کیا اس کا کافر ہونا ایسی ضرورتِ دینی ہو سکتا ہے جس میں آدمی صرف شک کرنے سے ہی کافر ہو جاتا ہو؟!، اگر ہو سکتا ہے تو پھر علی المرتضی کرّم اللہ وجہہ الکریم کے اسلام کو ضرورتِ دینی مانتے ہوئے خوارج کی تکفیر کیوں نہیں کی گئی؟، نیز یہ بتائیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سمیت جن آئمہ مجتہدین کے مذہب کا مقتضی یہ ہے کہ خوارج کی تکفیر سے اجتناب کیا جائے، تو کیا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور ان آئمۂ مجتہدین کا مذہب یہ تقاضا نہیں کرتا کہ جس شخص کے کفر کی قطعیت وشہرت کا ثبوت علی المرتضی کرّم اللہ وجہہ الکریم کے مسلمان ہونے سے کم تر ہو اس کو کافر نہ کہنے والے کی تکفیر سے بھی کفِ لسان کیا جائے؟!"۔

جواب

مولانا صاحب کو معلوم ہی ہوگا کہ عند المتکلمین سیّدنا علی المرتضی شیرِ خدا کی تکفیر کرنے والے خوارج کی تکفیر صرف تاویل کی وجہ سے نہیں کی گئی؛ کیونکہ وہ گمراہ لوگ آپ کی تکفیر میں تاویل کرتے تھے، لہذا شبہ کی بنا پر ان کی تکفیر نہیں کی گئی، ورنہ تاویل نہ پائے جانے کی صورت میں مولائے کائنات کے اسلام کو کفر جاننے کی وجہ سے عند الفقہاء کافر قرار دیئے گئے ہیں، جیساکہ "فتاوی تتارخانیہ" (ج ۵ ص ۵۳۸ مطبوعہ: ادارۃ القرآن) میں ہے، پھر مولائے کائنات کے اسلام کو قطعیت کے ہلکے درجہ میں رکھنا تو آپ کا کمال ہے، ورنہ وہ لوگ جن کی کتابوں کا ذکر کر کے آپ سر فخر سے بلند کرتے ہیں، وہ تو مولائے کائنات کے اسلام کو قطعی اور مشہور قرار دے رہے ہیں، دیکھئے علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرما رہے ہیں:

"ومن هاهنا ظهر لك سرُّ عدم تكفير الخوارج، مع أنّهم يُنكرون ما أجمع عليه قطعاً من فضائل أمير المؤمنين علي، وينسبونه إلى الكفر، مع أنّ إيمانَه وفضائلَه ثابتةٌ كالشمس ومجمعٌ عليه إجماعٌ قطعيّاً".

("فواتح الرحموت"، ۲/ ٢٤٤).

ترجمہ: "اور یہاں تم پر خوارج کی عدمِ تکفیر کا راز ظاہر ہوگیا، باوجود یہ کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجمع علیہ قطعی فضیلت کا انکار کرتے تھے، اور آپ کو کفر کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کا ایمان اور آپ کے فضائل سورج کی طرح روشن اور اجماعِ قطعی سے ثابت ہیں"۔

اس کے برعکس اگر کوئی کسی کافر کو کافر نہ مانے تو کافر ہے؛ کیونکہ اس نے کفر کو اسلام قرار دیا جو کہ بلاشبہ کفر ہے، جیساکہ پچھلے سوال کے جواب میں گزرا، اس مسئلہ میں کافر کے کفر کی شہرت وعدمِ شہرت کا مسئلہ نہیں بلکہ مدار علم پر ہے، یعنی جسے علم ہو جائے یہ کافر ہے، یا کسی ضرورتِ دینی کا منکر ہے، تو اس کی تکفیر لازم ہے، اور یہ بات ضرورتِ دینی کی دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے، جیساکہ ابتداء میں ذکر کیا گیا، اور یہی اعلیٰ حضرت اور مجتہدین کے مذہب کا تقاضا

ہے، علمائے کِرام کے الفاظ: "مَن شكّ في عذابه وكفره فقد كفر" اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں ہیں، مولانا صاحب کو یہ اِشکال خود ساختہ غلط اصول کے سبب سے پیش آرہا ہے۔

نوٹ: مولانا فیضِ رسول صاحب غور فرمائیں کہ وہ اپنے غلط خیال کی وجہ سے کتنے آگے نکل گئے ہیں!، ائمۂ مجتہدین نے تو یہ لکھا کہ ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرینگے، مگر آپ حد سے گزر گئے؛ کہ کافر کو بھی کافر ماننا ضروری نہیں!، آپ کے سوال نمبر ۲ اور ۳ کافر کی تکفیر ہی کے بارے میں ہیں۔

مولانا فیضِ رسول صاحب صفحہ ۲۳ پر چوتھا سوال ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"سوال نمبر ۴: صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین سے ہے"، ("بہارِ شریعت"، ج۱، ص۲۹)۔

اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں مسلمان سے کون سا مسلمان، اور کافر سے کون سا کافر مراد ہے؟، نیز یہ بتائیں کہ موجودہ دَور کے لوگوں میں سے کسی شخصِ معیّن کے مسلمان یا کافر ہونے کو ضرورتِ دینی قرار دینا ممکن ہے یا کہ نہیں؟، اگر ممکن ہے تو کم از کم دو ایسے اشخاص کے نام بتائیں جن میں سے ایک کا مسلمان ہونا اور دوسرے کا کافر ہونا ایسی ضرورتِ دینی ہو جس کا منکر آئمۂ متکلمین اور فقہائے مجتہدین کے نزدیک کافر ہوتا ہے!۔

جواب

صدر الشریعہ کی مذکورہ بالا عبارت میں مسلمان سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جس کا اسلام بداہۃً ثابت ہے، اور اس کے اسلام کے خلاف پر کوئی قرینہ صارفہ بھی نہ پایا جائے، اور اسی طرح ہر کافر مراد ہے جس کا کفر بداہۃً ثابت ہے، اور اس کے کفر کے خلاف پر کوئی قرینہ صارفہ بھی نہ پایا جائے، اس قسم کے تمام اَفراد کے اسلام یا کفر کا علم ہونے کے بعد ان کے اسلام یا کفر کا انکار

کفر ہے،اور علم ہونے کے بعد اس قسم کے مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر ماننا ضروریاتِ دینی کی دوسری قسم سے ہے۔

پھر مولانا صاحب نے اسی صفحہ نمبر ۲۳ سے پانچویں سوال کی ابتداء کی، جو صفحہ ۲۸ پر جا کر ختم ہوا، یہ ایک سوال نہیں بلکہ کئی سوالات کا مجموعہ ہے، مزید یہ کہ چونکہ مولانا نئی چیز لائے ہیں جس سے علماءآشنا نہیں تھے، لہذا انہیں اپنے ہر سوال میں پہلے خود ساختہ دلائل یا تمہید لکھنی ہوتی ہے پھر سوال لکھتے ہیں، بہر حال ہم سوال کا تھوڑا تھوڑا حصہ لے کر اِشکال دور کرنے کی کوشش کریں گے، اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے !۔

"سوال نمبر ۵: سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃاللہ علیہ نے "فتاوی رضویہ" جلد ۶ صفحہ ۷۱۵، ۷۱۶ اور جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ میں وہ احادیثِ مبارکہ نقل کی ہیں، جن میں کسی مسلمان کو اس کے کسی قول، عمل یا گناہ کی بناپر کافر کہنے سے منع فرمایا گیا ہے، جبکہ "فتاوی رضویہ" جلد ۶، صفحہ ۷۰۹ تا ۷۱۴ میں "بخاری"، "مسلم"، "ابو داؤد"، "ترمذی"، "مسند احمد"، "موطا امام مالک"، "صحیح ابنِ حِبّان" وغیرہ کتبِ احادیث اور بکثرت اقوالِ فقہاء سے ثابت کیا ہے کہ جو کسی شخص کو کافر کہے، اگر وہ واقعی کافر ہو تو فبہا، ورنہ کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، اھ۔

مگر اس کے باوجود ہماری کتبِ حنفیہ مثلاً: "فتح القدیر"، "البحر الرائق"، "درر الحکام"، "در مختار"، "رد المحتار" وغیرہ میں تصریح ہے کہ خوارج ہمارے خونوں اور مالوں کو حلال جانتے ہیں، ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں، اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو گالیاں دیتے اور انکی تکفیر کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ عمل چونکہ تاویل اور شبہ کی بنا پر ہے، اسی لئے آئمۂ مجتہدین بالاِجماع ان کی تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ ان کی تاویل وشبہ باطل ہے، علامہ شامی نے "رد المحتار"، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام، جلد ۲، صفحہ ۳۵۷ کے تحت "شرح منیہ" کے حوالہ سے تصریح فرمائی ہے: "أَنَّ سَابَّهُمَا أَوْ مُنْكِرُ خِلَافَتِهِمَا إِذَا بَنَاهُ عَلَى شُبْهَةٍ لَهُ لَا يَكْفُرُ وَإِنْ كَانَ قَوْلُهُ

كُفْراً فِي حَدِّ ذَاتِهِ لِأَنَّهُمْ يُنْكِرُونَ حُجِّيَّةَ الْإِجْمَاعِ بِإِتْهَامِهِمْ الصَّحَابَةَ، فَكَانَ شُبْهَةً فِي الْجُمْلَةِ وَإِنْ كَانَتْ بَاطِلَةً".

ترجمہ: "شبہ کی بنا پر شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے والے، یا ان کی خلافت کا انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اگرچہ اس کا یہ قول فی نفسہ کفر ہے؛ کیونکہ وہ صحابہ علیہم الرضوان کو متہم کرنے کی وجہ سے حجیتِ اِجماع کا انکار کرتے ہیں، پس یہ فی الجملہ شبہ کے قبیل سے ہے، اگرچہ ایسا شبہ باطل ہے، اھ"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقاۃ المفاتیح"، باب الایمان بالقدر، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳ میں تصریح فرمائی ہے: "والصّواب أن لا يسارع إلى تكفير أهل البدع؛ لأنّهم بمنزلة الجاهل، أو المجتهد المخطئ، وهذا قول المحقّقين من علماء الأمّة احتياطاً".

ترجمہ: "درست یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کی تکفیر میں جلدی نہ کی جائے؛ کیونکہ وہ مجتہد مخطی کے حکم میں ہیں، یہی علمائے محققین کا مذہب اور اسی میں احتیاط ہے"۔

ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر کچھ سطور کے بعد علامہ ابن حجر کے حوالہ سے گمراہ فرقوں کے بارے میں نقل کیا ہے: "حقّت عليهم كلمة الفسق والضلال إلا أنهم لم يقصدوا بما قالوه اختيار الكفر، وإنما بذلوا وسعهم في إصابة الحق فلم يحصل لهم، لكن لتقصيرهم بتحكيم عقولهم، وأهويتهم، وإعراضهم عن صريح السنة والآيات من غير تأويل سائغ، وبهذا فارقوا مجتهدي الفروع فإن خطأهم إنما هو لعذرهم بقيام دليل آخر عندهم مقاوم لدليل غيرهم من جنسه فلم يقصروا، ومن ثم أثيبوا على اجتهادهم".

ترجمہ: "ان پر فسق وضلالت کا حکم ثابت ہو چکا ہے، مگر انہوں نے اپنے اقوال سے کفر اختیار کرنے کا قصد وارادہ نہیں کیا، اور انہوں نے حق تک پہنچنے میں اپنی پوری طاقت صَرف کی ہے، مگر وہ حق کو نہیں پا سکے، البتہ فروعی مسائل میں بلا تاویلِ صحیح کے صریح احادیث وآیات سے اِعراض کرنے اور اپنی خواہشات وعقلوں کو حاکم ماننے کی وجہ سے قصوروار ہیں، اسی لیے وہ فروعی مسائل کے مجتہدین سے جُدا ہوگئے، پس بلاشبہ ان کی خطا ان کے اَعذار کی وجہ سے ہے؛ کہ ان کے نزدیک غیر کی دلیل کے مقابلہ میں اس جیسی اور دلیل قائم ہوتی ہے، پس (عقیدہ میں) انہوں نے حق تک پہنچنے میں کوتاہی نہیں کی، یہی وجہ ہے ان کو ان کے اجتہاد پر ثواب دیا جائے گا، اھ"۔

جواب

مولانا نے اعلیٰ حضرت، علامہ شامی کی پہلی اور دوسری عبارت، اسی طرح علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے جو لکھا درست لکھا، اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ ضروریاتِ دینی کے انکار کے سِوا میں حکمِ کفر نہیں، اور خوارج کے بارے میں یہی علماء نے لکھا کہ انہوں نے ضروریاتِ دینی کا انکار نہیں کیا، یا کہیں انکار ثابت ہے تو شبہ کی وجہ سے ہے، لیکن مولانا نے ان عبارات کو مکمل نہیں لکھا، یا جو بات ان کے خود ساختہ اِشکال کا رَد کر رہی تھی اسے چھوڑ دیا، بہرحال یہ طریقہ مولانا صاحب کی زبردست ہوشیاری پر دلالت کرتا ہے، اور وہ ہوشیاری یہ ہے کہ مولانا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ خواہ کوئی التزامِ کفر کرے یا لزومِ کفر، پھر بھی اس کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ مولانا کی پوری تحریر سے ظاہر ہے، حالانکہ مذکورہ علماء نے مذکورہ عبارات کے ساتھ التزامِ کفر پر تکفیر کی صراحت بھی کی ہے، اسی صفحہ پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی عبارت سے پانچ سطر پہلے علامہ شامی لکھتے ہیں:

"(وَكُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ قِبْلَتِنَا لَا يَكْفُرُ بِهَا) أَيْ: بِالْبِدْعَةِ الْمَذْكُورَةِ الْمَبْنِيَّةِ عَلَى شُبْهَةٍ؛ إِذْ لَا خِلَافَ فِي كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِي ضَرُورِيَاتِ الْإِسْلَامِ مِنْ حُدُوثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ

الْأَجْسَادِ وَنَفْيِ الْعِلْمِ بِالْجُزْئِيَّاتِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمَوَاظِبِ طُولَ عُمْرِهِ عَلَى الطَّاعَاتِ كَمَا فِي "شَرْحِ التَّحْرِيرِ". ("ردّ المحتار"، ۲/ ۳۰۰).

ترجمہ: "جو بھی اہلِ قبلہ ہو وہ شبہ پر مبنی مذکورہ بدعت کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا، ہاں ضروریاتِ دینی مثل حدوثِ عالم، حشرِ اجساد، اللہ سے جزئیات کے علم کی نفی کرنے والے کے کفر میں کوئی خلاف نہیں، اگرچہ وہ اہلِ قبلہ میں سے ہو، ساری زندگی نیکیوں پر مُداوَمت میں گزارے، جیساکہ "شرحِ تحریر" میں ہے"۔

مولانا صاحب! دیکھا آپ نے کہ آپ کے معتمد علیہ علمائے کرام کیسے تکفیر کر رہے ہیں، اہلِ قبلہ کہلانے والے، ساری عمر نیکیاں کرنے والے کی، جبکہ آپ کے نزدیک تو کوئی اس وقت تک کافر ہی نہیں ہوسکتا کہ جب تک اس کا کفر قرآن کی کسی محکم ومفسَّر آیت، یا حدیثِ متواتر قطعی الدلالہ، یا اِجماع الصحابۃ قطعی الدلالہ سے ثابت نہ ہو جائے۔

پھر مولانا صاحب نے "رد المحتار" کی اسی پہلی عبارت سے پیوستہ ایک عبارت چھوڑ دی جو پہلی عبارت کا حصہ ہے، اور اس کے دوسطر بعد والی عبارت لکھ دی، چھوڑنے کی وجہ ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کے اِشکال کو ذبح کرنے کے لئے یہ عبارت بھی کافی تھی، پہلی عبارت کے ساتھ چھوڑی گئی عبارت درج ذیل ہے۔

"أَنَّ سَابَّهُمَا أَوْ مُنْكِرُ خِلَافَتِهِمَا إِذَا بَنَاهُ عَلَى شُبْهَةٍ لَهُ لَا يَكْفُرُ، وَإِنْ كَانَ قَوْلُهُ كُفْراً فِي حَدِّ ذَاتِهِ؛ لِأَنَّهُمْ يُنْكِرُونَ حُجِّيَّةَ الْإِجْمَاعِ بِإِتِّهَامِهِمْ الصَّحَابَةَ، فَكَانَ شُبْهَةً فِي الْجُمْلَةِ، وَإِنْ كَانَتْ بَاطِلَةً، بِخِلَافِ مَنْ ادَّعَى أَنَّ عَلِيّاً إِلَهٌ، وَأَنَّ جِبْرِيلَ غَلِطَ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ عَنْ شُبْهَةٍ وَاسْتِفْرَاغِ وُسْعٍ فِي الاِجْتِهَادِ، بَلْ مَحْضُ هَوًى".

ترجمہ: "شبہ کی بنا پر شیخین رضی اللہ تعالی عنہما کو گالیاں دینے والے، یاان کی خلافت کا انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اگرچہ اس کا یہ قول فی نفسہ کفر ہو؛ کیونکہ وہ صحابہ علیہم

الرضوان کو متہم کرنے کی وجہ سے حجیتِ اِجماع کا انکار کرتے ہیں، لہذا یہ فی الجملہ شبہ کے قبیل سے ہے، اگرچہ ایسا شبہ باطل ہے، بخلاف اس کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا دعوی کرے، اور یہ کہے کہ جبریل علیہ السلام سے (وحی کے نزول میں) غلطی ہوگئی؛ کیونکہ یہ (دونوں عقیدے) شبہ اور اجتہاد میں خطا کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض ہَوائے نفس ہے"۔

پھر مولانا صاحب نے علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تو کمال ہی کر دیا، یک نہ شُد دو شُد، بلکہ سہ شُد کے مصداق تین بار ہوشیاری دکھائی، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مذکورہ بالا عبارتیں درحقیقت ایک تسلسل کے ساتھ ایک ہی عبارت ہے، مگر مولانا صاحب نے اسے دو ٹکڑوں میں لکھا؛ کیونکہ اگر پورا لکھتے تو ان کے خود ساختہ اِشکال کا پول کھل جاتا، اور فاسقوں فاجروں کے لئے استحقاقِ ثواب کی کہانی بھی غلط ثابت ہو جاتی، وہ اس طرح سے کہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی عبارت کا اگلا حصہ حدیثِ کریمہ کی روشنی میں ان گمراہ لوگوں کی بد نصیبی کو بیان کر رہا ہے، علامہ علی قاری کی پوری عبارت یوں ہے:

"والصّوابُ أن لا يسارعَ إلى تكفير أهل البدع؛ لأنّهم بمنزلة الجاهل أو المجتهد المخطئ، وهذا قول المحقّقين من علماء الأمّة احتياطاً، فيحمل قوله: «ليس لهما نصيب» على سوء الحظ وقلّة النصيب، كما يقال: ليس للبخيل من ماله نصيب".

("مرقاة المفاتيح"، ١/ ٣٠٦، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ).

ترجمہ: "درست یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کی تکفیر میں جلدی نہ کی جائے؛ کیونکہ وہ یا تو جاہل کے حکم میں ہیں یا پھر مجتہدِ مخطی کے حکم میں، یہی علمائے محققین کا مذہب، اور اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول: "ان کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں" بُرے حصے اور کم نصیبی پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "بخیل کے مال میں خود بخیل کا کوئی حصہ نہیں"۔

علامہ علی کی خط کشیدہ عبارت واشگاف لفظوں میں اس وہم کا رَد کر رہی ہے کہ ان گمراہ لوگوں کو مجتہدِ مخطی سمجھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں مجتہدِ مصیب کے مقابلے میں ایک اَجر دیا جائے گا، نہیں نہیں! ان عقیدے کے گمراہوں کی مثال بخیل کی سی ہے جسے خود اپنے مال سے بھی حصہ نہیں ملتا، لہذا ان کے لئے کوئی اجر نہیں، پھر دوسری ہوشیاری دوسری عبارت کے ترجمہ میں دکھائی، اور غلط ترجمہ کر کے ان گمراہ بددینوں کے لئے اجر کا استحقاق ثابت کر دیا، دوسری عبارت جہاں ترجمہ غلط کر کے ہاتھ کی صفائی دکھائی، وہ درج ذیل ہے، اور مولانا صاحب ہی کا ترجمہ نقل کر رہا ہوں:

"وبهذا فارَقوا مجتهدِي الفروع؛ فإنّ خطأَهم إنّما هو لعُذرهم بقيام دليلٍ آخَر عندهم مقاومٌ لدليل غيرهم من جِنسه فلم يقصروا، ومن ثَمّ أثيبوا على اجتهادهم".

ترجمہ: "اسی لیے وہ فروعی مسائل کے مجتہدین سے جُدا ہو گئے، پس بلاشبہ ان کی خطا ان کے اَعذار کی وجہ سے ہے؛ کہ ان کے نزدیک غیر کی دلیل کے مقابلہ میں اس جیسی اور دلیل قائم ہوتی ہے، پس (عقیدہ میں) انہوں نے حق تک پہنچنے میں کوتاہی نہیں کی، یہی وجہ ہے ان کو ان کے اجتہاد پر ثواب دیا جائے گا، اھ"۔

مذکورہ بالا عبارت کے ترجمہ سے یہ تاثر پیدا ہو رہا ہے کہ ان گمراہوں کو عقیدے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اپنی گمراہی پر ثواب بھی ملے گا؛ کیونکہ مولانا صاحب نے بریکٹ لگا کر لفظ "عقیدہ میں" کا اضافہ کر دیا، ظاہر ہے اس اضافہ کے بغیر گمراہوں کے لئے استحقاقِ ثواب کا تاثر صحیح طور پر پیدا نہ ہوتا، حالانکہ یہاں پر "مجتهدي الفروع" سے مراد شریعت کے عملی اَحکام کے مجتہدین مراد ہیں؛ کیونکہ بحث عقیدے کی ہے، اور عقائد اصول میں شمار کئے جاتے ہیں، اور ان میں اجتہاد کرنے والے "مجتهدي الأصول" کہلاتے ہیں، اسی طرح عملی اَحکام فروع کہلاتے ہیں،

اوران کے مجتہدین "مجتهدي الفروع" کہلاتے ہیں، جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اعلم أنّ الأحكام الشّرعية منها ما يتعلَّقُ بكيفية العمل وتُسمَّى فرعيةٌ وعمليةٌ، ومنها ما يتعلّق بالاعتقاد وتسمَّى أصليةٌ واعتقاديةٌ".

("شرح العقائد النسفية"، صـ٥٢).

ترجمہ: "جان لو کہ اَحکامِ شرعیہ میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق عمل کی کیفیت سے ہے، اور وہ فرعیہ و عملیہ کہلاتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ اصلیہ واعتقادیہ کہلاتے ہیں"۔

لہذا مذکورہ عبارت میں ثواب کا استحقاق فروعی و عملی مسائل میں خطا کرنے والوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے، نہ کہ عقیدہ میں اختلاف کرنے والوں کے لئے، ہم شروع میں امامِ اعظم کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ فروعی و عملی مسائل میں اختلاف عینِ رحمت ہے، اور اس میں مجتہدِ مخطی کو اجر بھی ملتا ہے، جبکہ عقیدہ میں اختلاف گمراہی اور بعض اوقات کفر ہوتا ہے، اور اس میں غلطی کرنے والے کو گناہ ہوتا ہے، نیز مذکورہ عربی عبارت میں "خطأهم" کی ضمیر "مجتهدي الفروع" کی طرف لوٹ رہی ہے، لہذا ترجمہ میں لفظ "عقیدہ میں" کا اضافہ کرکے مفہوم کو بدلنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

تیسری ہوشیاری یہ دکھائی گئی کہ علامہ علی قاری کی دوسری عبارت جو مولانا صاحب نے نقل کی، اس سے ٹھیک ایک سطر پہلے وہ بات لکھی ہے جو مولانا کے اِشکال کے تارپو بکھیرنے کے لئے کافی تھی، مگر مولانا صاحب نے ہوشیاری دکھاتے ہوئے چھوڑ دی، وہ عبارت درج ذیل ہے:

"إنّا لا نكفّر أهلَ البدع والأهواء، إلاّ إن أتوا بمكفّرٍ صريحٍ لا استلزامي".

ترجمہ: "بے شک ہم بدعت وخواہشات کے پیروکاروں کی تکفیر نہیں کرتے، سوائے یہ کہ وہ کوئی صریح کفر (التزامِ کفر) کریں، نہ کہ لزومی"۔

ظاہر ہے کہ مولانا کی پوری تحریر کا مرکزی نقطہ ہی یہ ہے کہ: "کفر خواہ التزامی ہو یا لزومی، کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی"، اور یہ چھوڑی گئی عبارت صاف بتارہی ہے کہ التزامِ کفر میں کوئی رعایت نہیں، لہذا مولانا صاحب نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو قصداً چھوڑ دیا۔

مولانا صاحب آپ کے اِشکالات کے جوابات تو ہر اس عبارت کے ساتھ ہیں جو آپ نے نقل کیں ہیں، نہ جانے آپ کو وہ کیوں نظر نہیں آئیں؟!، "اللّهم أرنا الحقَّ حقّاً وارْزقنا اتّباعَه، وأَرِنا الباطلَ باطلاً وارْزقنا اجتنابَه".

پھر اسی پانچویں سوال کی تقریر میں مولانا صاحب نے علامہ شامی کے حوالے سے امام ابن ہمام کا قول لکھا، اس کے بعد "أنوار البروق في أنواع الفروق"، پھر "الطحطاوي على المراقي"، پھر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول، پھر "روضة الطالبين" کی دو عبارات لکھیں، اور ان عبارات کو لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مبتدعین کی تکفیر کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ ہم سے پچھلے فقہاء و متکلمین نے بھی اسے ضروری نہیں جانا، حالانکہ مولانا کا مطلقاً یہ تاثر دینا غلط ہے؛ کیونکہ بزرگوں نے ان گمراہوں کی تکفیر سے اجتناب اسی لئے کیا کہ ان کی گمراہی ضروریاتِ دین میں سے نہیں تھی، یا بعض نے ضروریاتِ دین میں بھی خلاف کیا تو وہ شبہ کی وجہ سے تھا، البتہ اس کے برعکس ضروریاتِ دینی کا انکار کرنے والے کی ضرور تکفیر کی جائے گی، مولانا نے "شرحِ تحریر" کی وہ عبارت نہیں دیکھی جس میں واضح لفظوں میں فرمایا:

"(وَكُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ قِبْلَتِنَا لَا يَكْفُرُ بِهَا) أَيْ: بِالْبِدْعَةِ الْمَذْكُورَةِ الْمَبْنِيَّةِ عَلَى شُبْهَةٍ؛ إِذْ لَا خِلَافَ فِي كُفْرِ الْمُخَالِفِ فِي ضَرُورِيَاتِ الْإِسْلَامِ مِنْ حُدُوثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْأَجْسَادِ وَنَفْيِ الْعِلْمِ بِالْجُزْئِيَّاتِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ الْمُوَاظِبِ طُولَ عُمْرِهِ عَلَى الطَّاعَاتِ كَمَا فِي "شَرْحِ التَّحْرِيرِ". ("ردّ المحتار"، ۲/ ۳۰۰).

ترجمہ: "جو بھی اہلِ قبلہ ہو وہ شبہ پر مبنی مذکورہ بدعت کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا، ہاں ضروریاتِ دینی مثل حدوثِ عالم، حشرِ اَجساد، اللہ سے جزئیات کے علم کی نفی کرنے والے کے کفر میں کوئی خلاف نہیں، اگرچہ وہ اہلِ قبلہ میں سے ہو، اگرچہ ساری زندگی نیکیوں پر مداومت میں گزارے، جیسا کہ "شرحِ تحریر" میں ہے"۔

لہذا ظاہر ہوا کہ مذکورہ بالا عبارتیں مولانا صاحب کو ہرگز مفید نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ مولانا صاحب ان عبارات کو دکھا کر کم علم لوگوں یا طلباء وغیرہ کو ضرور اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں، مگر ایسا کرنا سراسر دَجل وفریب ہے۔

مذکورہ بالا عبارات لکھنے کے بعد مولانا فیضِ رسول صاحب نے کچھ سوالات لکھ کر جوابات طلب کئے ہیں، ان کے وہ سوالات مع جوابات ترتیب وار رقم کئے جاتے ہیں:

مولانا لکھتے ہیں: "اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ، احادیثِ شریفہ اور عباراتِ علماء کی روشنی میں بتائیں کہ اگر کوئی شخص ظاہری طور پر کلمہ گو ہو، اور ہمیں اس کے کسی قطعی کفریہ عقیدے کا علم نہ ہو، اور وہ کسی تاویل یا شبہ کی بنا پر ایسا قول کرے جو ظاہری طور پر کلمۂ کفر ہو، مگر اس کے باوجود کوئی صحیح العقیدہ وسنّی المذہب عالمِ دین مندرجہ ذیل امور کی بنا پر اس کی تکفیر سے اجتناب کرے:

شبہ(۱): ہوسکتا ہے کہ یہ کلمہ جو ظاہری طور پر کفر ہے، واقع میں کفر نہ ہو؛ کیونکہ غیر مجتہدین متأخرین فقہائے کرام نے کئی ایسے اقوال کو کفر کہا جو واقع میں کفر نہیں ہیں، جس پر سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا "حاشیہ عالمگیری" شاہدِ بیّن ہے، نیز "فتاوی رضویہ" جلد ۳ صفحہ ۳۴۸ میں ہے: کتبِ فتاوی میں جتنے الفاظ پر حکمِ کفر کا جزم کیا ہے، ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو، ورنہ ہرگز کفر نہیں، اھ"۔

جواب

سوال نمبر ایک میں جو شبہ بیان کیا گیاہے، وہ اسی صورت میں لاحق ہو سکتاہے جب مسئلہ ضروریاتِ دین کے انکار پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے لزومِ کفر سے تعلق رکھتاہو، نہ کہ التزامِ کفر سے، جہاں تک لزومِ کفر میں اختلاف کرنے کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ کفر تو کیا فسق بھی نہیں، لہذا مولانا صاحب کا یہ شبہ لکھنا فضول ہے؛ کیونکہ ہماری بحث تو التزامِ کفر میں ہے، اور التزامِ کفر میں اس قسم کا شبہ کسی جاہل غبی کو ہو سکتا ہے، اور اس کا علاج یہ ہے کہ کسی عالمِ اہلِ سنّت سے معلوم کر کے درست بات کو اختیار کرے۔

شبہ(۲): ہو سکتاہے یہ کلمہ تو کفریہ ہو لیکن آئمۂ مجتہدین کے نزدیک اس کی تکفیر درست نہ ہو؛ کیونکہ امام ابنِ ہمام "فتح القدیر" "کتاب السیر، باب البُغاۃ، جلد ۶، صفحہ ۹۳ میں فرماتے ہیں:

"في "المحيط" أنّ بعضَ الفقهاء لا يكفِّر أحداً من أهل البدع، وبعضَهم يكفِّرون، البعضُ وهو مَن خالَف ببدعته دليلاً قطعياً، ونسبه إلى أكثر أهل السنّة، والنقلُ الأوّل أثبَت، وابن المنذر أعرَف بنقل كلام المجتهدين، نعم يقع في كلام أهل المذهب تكفير كثير، ولكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم، ولا عبرةَ بغير الفقهاء، والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا".

ترجمہ: "محیط" میں ذکر کیا گیاہے کہ بعض فقہائے کِرام اہلِ بدعت میں سے کسی ایک کی بھی تکفیر نہیں کرتے، اور بعض فقہاء بعض ان اہلِ بدعت کی تکفیر کرتے ہیں جنھوں نے اپنی بدعت کی وجہ سے دلیلِ قطعی کی مخالفت کی ہو، اور اس بات کو صاحبِ "محیط" نے اکثر اہلِ سنّت کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ نقلِ اوّل زیادہ مضبوط ہے، ہاں اہلِ مذہب کے کلام میں کثیر کی تکفیر واقع ہوئی ہے، لیکن یہ فقہائے مجتہدین کا کلام نہیں بلکہ غیر مجتہد فقہاء کا کلام ہے، اور تکفیر کے سلسلہ میں ان غیر مجتہد فقہاء کا کلام معتبر نہیں، جبکہ فقہائے مجتہدین سے تو یہی منقول ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں"، اھ۔

جواب

یہ شبہ سَراسَر تلبیسِ ابلیس ومکرِ خبیث ہے؛ کیونکہ یہ شبہ امام ابن ہمام کے کلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لاحق ہوا ہے، یعنی فقہائے مجتہدین میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی حال میں کسی اہلِ قبلہ کہلانے والے کی تکفیر نہیں کرتے تھے، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے اخذ کردہ نتیجہ کتبِ عقائدِ اہلِ سنّت کی روشنی میں سَراسر غلط وفاسد ہے؛ کیونکہ فقہائے اسلام وآئمۂ مجتہدین میں سے کوئی ایسا نہیں گزرا جو ضروریاتِ دینی کے منکر کی تکفیر نہ کرتا ہو، یا اس سے منع کرتا ہو، علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن ہمام کے حوالے سے لکھا کہ اہلِ سنّت کا اتفاق ہے کہ اصول الدین یا ضروریاتِ دینی کا منکر کافر ہے:

"واختلف أهلُ السنّة في تكفير المخالف في بعض العقائد، بعد الاتفاق منهم على أنّ ما كان من أصول الدّين وضرورياته يكفَّر المخالف فيه".

("المعتقد"، صـ٢١٢).

ترجمہ: "اس بات پر اتفاق کر لینے کے بعد جو مسئلہ اصولِ دین اور ضروریاتِ دین سے ہو، اس میں اختلاف کرنے والا کافر ہے، بعض عقائد میں خلاف کرنے والے کی تکفیر میں اہلِ سنّت کا اختلاف ہے"۔

نیز گزشتہ صفحات پر "رد المحتار" (ج۲، ص۳۰۰)، "مرقات المفاتیح" (ج۱، ص۳۰۶) کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ جو بھی ضروریاتِ دینی کا انکار کرے وہ بالاِجماع کافر ہے، بلکہ جو ضروریاتِ دینی کا انکار کرے وہ اہلِ قبلہ ہی سے نہیں، جیساکہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أنّ المراد بأهل القبلة الذين اتّفقوا على ما هو من ضروريات الدّين كحدوث العالَم، وحشر الأجساد، وعلم الله بالكلّيات والجزئيات، وما أشبه ذلك من المسائل، فمَن واظَب طولَ عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قِدم العالَم، أو نفي الحشر،

أو نفي علمِه -سبحانه- بالجزئيات، لا يكون من أهل القبلة، وأنّ المراد بعدم تكفير أحدٍ من أهل القبلة عند أهل السنّة، أنّه لا يكفر ما لم يوجد شيءٌ من أمارات الكفر وعلاماته، ولم يصدر عنه شيء من موجِباته".

("شرح الفقه الأكبر"، صـ١٥٤، ١٥٥ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ).

ترجمہ: "اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر متفق ہیں، جیسے عالم کا حادث ہونا، جسموں کا اٹھایا جانا، اللہ کے علم کا کلّیات و جزئیات پر محیط ہونا، اور اسی قسم کے دیگر مسائل، توجو شخص ساری زندگی طاعت وعبادت میں گزارے مگر اس کے ساتھ عالم کے قدیم ہونے کا، یا اللہ سے شر کی نفی کرے، یا اللہ تعالی کے علم سے جزئیات کی نفی کا اعتقاد کرے، وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں، اور اہلِ سنّت کے نزدیک اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر سے مراد یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہیں کی جائے گی کہ جب تک اس پر کفر کی نشانیوں یا علامات میں سے کوئی بات نہ پائی جائے، اور کفر کے موجِبات میں کوئی بات اس سے صادر نہ ہو"۔

مذکورہ حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ آئمۂ مجتہدین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ضروریاتِ دینی کے منکر کی تکفیر نہ کرے، لہذا امام ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر قائم کیا گیا شبہ سَراسَر غلط ہے، ہاں البتہ اس سے لزومِ کفر مراد لیا جائے تو حرج نہیں؛ کیونکہ متکلمین کا مذہب لزومِ کفر میں عدمِ تکفیر ہے، لیکن اس صورت میں مولانا کا یہ شبہ پیش کرنا پھر بھی باطل ہے؛ کیونکہ ہماری گفتگو ایسے شخص کے بارے میں ہے جو ضروریاتِ دینی کا انکار کرے، یا ضروریاتِ دینی کے منکر کی تکفیر میں شک کرے، یا توقف کرے۔

شبہ (۳): ہو سکتا ہے کہ یہاں صحیح تاویل یا شبہ موجود ہو، جس کا مجھے علم نہ ہو؛ کیونکہ صحیح تاویل یا شبہ موجود ہونے کی صورت میں ہر عالم کو اس کا اِدراک اور علم بھی ہو سکے ضروری نہیں، اس پر "فتاوی رضویہ"، جلد ۱۵، صفحہ ۳۰۴ پر مرقوم فتوی شاہدِ بیّن ہے۔

جواب

یہ شبہ ٹھیک ہے، ایسا ہو سکتا ہے !، مگر اس شبہ کی بنیاد پر اسی پر قائم رہنا ٹھیک نہیں، بلکہ ایسے عالم کے لئے حکم ہے کہ وہ کتب کی ورق گردانی کرے، یا علماء سے معلوم کرے اور اس اِشکال کو دُور کرے، اس مسئلہ کا اِجمالی اعتقاد کرے، لیکن اگر وہ اس مسئلے کی تحقیق نہ کرے، اور ضروریاتِ دینی پر مبنی مسئلے میں اسی شبہ کو اپنالے، تو اسی وقت کافر ہو جائے گا، جیسا کہ ہم علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابتداء میں لکھ آئے ہیں، یہاں اسی کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

"اگر کسی مسلمان پر علمِ توحید کے دقائق میں سے کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر فی الحال واجب ہے کہ اِجمالی طور پر اس بات کا اعتقاد کرے جو اللہ کے نزدیک صواب و درست ہے، یہاں تک کہ کسی عالم کو پائے تو اس سے پوچھے، اور اسے عالم کی جستجو میں تاخیر کا اختیار نہیں، اور وہ اس مسئلہ میں توقف کی وجہ سے، یعنی ان احوال کی معرفت میں تردّد کے سبب اور عالم سے سوال کے ذریعے حق کی تلاش نہ کرنے کے سبب معذور نہیں ہوگا، لہذا فی الحال کافر ہو جائے گا، اگر مستقبل میں ٹھیک عقیدہ بیان کرنے میں توقف کرے، اس لئے کہ توقف شک کا موجِب ہے، اور ایسی بات میں شک جس کا اعتقاد کرنا فرض ہے انکار کی طرح ہے، اور اسی لئے علماء نے ہمارے اصحاب میں سے ثلجی کے قول کو باطل کہا جب ثلجی نے کہا اقول: جو بات (قرآن میں آئمہ کے درمیان) متفق علیہ ہے میں اسے مانتا ہوں، اور وہ یہ کہ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم ہے"۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت "يكفر في الحال" کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے حاشیہ "المعتمد المستند بناء نجاة الأبد" میں رقم طراز ہیں: "إن كانت المسألةُ من ضروريات الدّين".

جناب مولانا صاحب! آپ کے پیش کئے ہوئے شبہ کی وجہ سے تھوڑی دیر تک کی تو رعایت ہے، لیکن اگر اسے اپناموقف بنا لے، تو پھر علمائے کِرام کی تصریحات کے مطابق ضروریاتِ دینی پر مبنی مسئلے میں انکار، یاتردّد، یا شک کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

شبہ(۴): ہو سکتا ہے کہ اس کلمہ میں ایسی ضرورتِ دینی کاانکار ہو جس پر آئمۂ مجتہدین نے تکفیر نہ فرمائی ہو؛ کیونکہ "فتاوی رضویہ"، جلد ۱۴، صفحہ ۲۸۸ میں کئی کتب کے حوالہ سے حجیتِ اِجماع کو ضرورتِ دینی قرار دیا ہے، مگر اس کے باوجود آئمۂ مجتہدین نے اس کے منکر گمراہ فرقوں کی تکفیر نہیں فرمائی ہے، نیز "فتاوی رضویہ"، جلد ۱۴، صفحہ ۲۸۹ میں تصریح ہے کہ خوارج ضروریاتِ دین میں تشکیک پیدا کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کی تکفیر نہیں کی گئی۔

جواب

مولانا صاحب! اس شبہ کا بھی وہی جواب ہے جو شبہ ۳ کا ہے، یعنی یہ بھی عارضی سہارا ہے، اس پر واجب ہے کہ اِجمالی اعتقاد رکھے، اور پھر اس مسئلے کی تحقیق کرے، یا علماء سے معلوم کرے، اگر اسی توقف کو عقیدہ بنا لیا تو امامِ اعظم کے نزدیک بھی کافر ہو جائے گا۔

شبہ(۵): ہو سکتا ہے کہ اس کلمہ میں جس ضرورتِ دینی کا انکار پایا جاتا ہو، قائل اس ضرورتِ دینی کا اعتقاد رکھنے کی تصریح کرتا ہو، اور اپنے کلام کی معنی کفر پر دلالت کو تسلیم نہ کرتا ہو؛ کیونکہ "فتاوی رضویہ"، جلد ۱۴، صفحہ ۳۴۱ میں نبیِ اکرم ﷺ کو آخری نبی ماننے کے باوجود خاتم النبیّین پر "الف لام" استغراقی ہونے کی نفی کرنے والے، اور حرمتِ خمر کا قائل ہونے کے باوجود قرآنِ پاک میں حرمتِ خمر مذکور ہونے سے انکار کرنے والے شخص کی تکفیر سے احتراز کیا گیا ہے۔

جواب

یہ درست ہے کہ "فتاوی رضویہ" میں خاتم النبیّین پر "الف لام" استغراقی نہ ماننے والے کی تکفیر سے کفِ لسان کیا، مگر آپ نے وہ قیود نہ دیکھیں جو امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ نے ایسے شخص کے لئے بیان کیں، اگر پہلے نہ دیکھیں تو اب دیکھ لیں، امامِ اہلِ سنّت رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تو اگرچہ یہ طائفہ آیۂ کریمہ میں استغراق کے انکار سے ختمِ نبوتِ تام پر دلائلِ قطعیہ سے مسلمانوں کا ہاتھ خالی نہیں کر سکتا، مگر اپنا ہاتھ ایمان سے خالی کر گیا، ہاں اگر اربابِ طائفہ صراحۃً ایمان لائیں کہ: حضورِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں، خواہ حضور کے بعد، کبھی کسی جگہ، کسی طرح کی کوئی نبوّت کسی کو نہیں مل سکتی، حضور کے خاتم النبیین وآخرالانبیاء والمرسلین ہونے میں اصلاً کوئی تخصیص تاویل تقیید تحویل نہیں، اور ان تمام مطالب کو نصوصِ قطعیہ واجماعِ یقینی وضروریاتِ دین سے ثابت یقیناً مانیں، اور ان تمام طوائف ملعونہ مذکورہ اور ان کے اکابر کو صاف صاف کافر مرتد کہیں، صرف بزعمِ خود اپنی نحوی و منطقی جہالتوں، بطالتوں، کج فہمیوں کے باعث آیۂ کریمہ میں "لامِ عہد" لیں، اور استغراقِ نامستقیم سمجھیں، تو اگرچہ بوجہِ انکارِ تفسیرِ متواترِ اجماعی قطعی، اسلوبِ فقہی، اس پر اب بھی لزومِ کفر مانے، مگر ازانجا کہ اس نے اعتقادِ صحیح کی تصریح اور کبرائے منکرین کی تکفیرِ صریح کر دی، اس کی تکفیر سے زبان روکنا ہی مسلکِ تحقیق واحتیاط ہوگا"۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٤/ ٣٤١).

پھر چند سطور بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

"أقول وبالله التوفيق: اس تقدیرِ اخیر پر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ طائفہ خائفہ یار ومعین، مرتد وکافرین، وبازیچہ کنندۂ کلام رب العالمین، ومکذِّبِ تفسیر حضور سیّد المرسلین، ومخالفِ اجماعِ جمیع مسلمین، وسخت بد عقل وگمراہ وبد دین ہے"۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٤/ ٣٤١).

یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ شخصِ مذکور کی سخت شرائط کی موجودگی میں تکفیرِ کلامی سے کفِ لسان کیا، مگر خط کشیدہ الفاظ میں تکفیرِ فقہی کا عندیہ بھی دے دیا، بلاشبہ ایسا شخص عند الفقہاء ضرور کافر ہے، نیز امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے بَر اسلوبِ متکلمین اس کی تکفیر اس لئے نہیں کی کہ عند المتکلمین ہر ضروری کا انکار کفر نہیں، بلکہ کفر صرف اسی ضروری کا انکار ہے جس سے شریعت کا انکار لازم آتا ہو، علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"أنّ مَن أنكر ما عُرف بالتواتر، فإن لم يرجع إنكارُه إلى إنكار شريعةٍ من الشّرائع، كإنكار غزوة تبوك، أو وجود أبي بكرٍ وعمر، وقتل عثمان، وخلافة علي، وغير ذلك مما علم بالنقل ضرورةً، وليس في إنكاره جحدُ شريعةٍ، لا يكون إنكارُه ذلك كفراً؛ إذ ليس فيه أكثر من الكذب والعناد".

("الإعلام بقواطع الإسلام"، صـ١٧).

ترجمہ: "بے شک جس نے کسی ایسی بات کا انکار کیا جو تواتر سے معلوم ہو، تو اگر اس کا انکار شریعت کے انکار کی طرف نہیں جاتا مثلاً: غزوہ تبوک، حضرت ابو بکر وعمر، قتلِ عثمان، وخلافتِ علی (رضی اللہ تعالی عنہم)، یا اس قسم کی دیگر باتوں کا انکار جو بداہۃً ثابت ہیں، مگر ان کے انکار میں شریعت کا انکار نہ ہو، تو ایسا انکار کفر نہیں؛ کیونکہ اس میں جھوٹ اور عناد کے سِوا کچھ نہیں"۔

لہذا مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں ظاہر ہوا کہ خاتم النبیّین میں "الف لام" استغراقی کا انکار کرنے والا چونکہ ختمِ نبوت کا قائل تھا، لہذا اس کا "لامِ" استغراق کا اپنی جہالت کی وجہ سے انکار ختمِ نبوت کے انکار کی طرف راجع نہ ہوا، اسی لئے امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تکفیرِ کلامی سے کفِ لسان کیا۔

اب مولانا صاحب کے قائم کردہ شبہ کی طرف آتے ہیں: مولانا نے جو شبہ قائم کیا وہ ہر قسم کی عبارت کے بارے میں نہیں ہو سکتا، یہ شبہ صرف اسی عبارت کے بارے میں قائم کیا جا

سکتا ہے جس میں تاویل کی گنجائش ہو، یعنی لزومِ کفر ہو، اگر اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، یعنی التزامِ کفر ہو تو ایسا شبہ باطل ہے، مثال کے طور پر قاسم نانوتوی کے کفر کو لیتے ہیں: اس نے اپنی تین عبارات میں خاتم النبیّین سے ختمِ زمانی کا انکار کیا، پھر ایک مقام پر کہہ دیا کہ: "جو ختمِ زمانی کو نہ مانے تو وہ کافر ہے"، صرف اس جملے سے پچھلی تین عبارات کا کفر تو نہیں اُٹھ جائے گا جن میں صاف طور پر کہا کہ: "اگر آپ ﷺ کے بعد، بلکہ آپ کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی آجائے، تو ختمِ نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا"، بلکہ یہ جملہ لکھنا تو خود اپنے کفر پر مہر ثبت کرنا ہے، نیز اس صریح کفر کی تاویل میں اسے "قضیہ فرضیہ" کہنا سَراسر جہالت ہے، اور ایسی تاویل صریح کفر کو مؤوّل نہیں کر سکتی، یہ بات بھی معلوم ہونا چاہیے کہ: نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی کے کفر کو "لامِ استغراقی" کے منکر پر قیاس کرنا سَراسر غلط اور علم و عقل کا خون ہے، "لامِ استغراق" کے منکر کا کفر براہِ راست نہیں ہے، بلکہ اس میں ترتیبِ مقدّمات لازم ہوتے ہیں، جو ختمِ نبوت کے انکار کی طرف لے جاتے ہیں، جبکہ مذکورہ بالا چاروں اکابرِ دیوبندیہ کا کفر صریح و مفسَّر ہے، لہذا ان چاروں کی تکفیر کے منکر کے بارے میں یہ شبہ قائم کرنا کہ: "وہ اپنے کلام کی معنیٰ کفر پر دلالت کو تسلیم نہ کرتا ہو" سَراسر غلط ہے، اور اہلِ علم کے اصول کے خلاف ہے، پھر امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے جس شرط پر کفِ لسان کیا اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟!، یا صرف مطلب برآری کے لئے بزرگوں کا حوالہ پیش کر کے التزامِ کفر کرنے والے کی حمایت کی جائے گی، آخری شرط ذرا غور سے دیکھیں: "اسلوبِ فقہی اس پر اب بھی لزومِ کفر مانے، مگر ازانجا کہ اس اعتقادِ صحیح کی تصریح اور کبرائے منکرین کی تکفیرِ صریح کر دی، اس کی تکفیر سے زبان روکنا ہی مسلکِ تحقیق و احتیاط ہو گا"۔

بہر حال مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی کہ: (۱) اگر شبہ ایسی عبارت میں لاحق ہوا جو لزوم پر مبنی ہو، تو اس صورت میں کفِ لسان میں حرج نہیں، بلکہ یہی درست ہے،

(۲)اگر شبہ ایسی عبارت میں ہو جو التزامِ کفر پر مبنی ہو، تو اس میں توقف جائز نہیں، بلکہ کتب کی ورق گردانی کرے، یا علماء سے رابطہ کر کے حق بات معلوم کرے اور اسے اپنا موقف بنائے، اگر ایسا نہ کیا تو امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق فوراً کافر ہو جائے گا، جیسا کہ ہم نے علامہ علی قاری اور فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے لکھا۔

شبہ(٦): ہو سکتا ہے کہ وہ تاویل یا شبہ جو میرے نزدیک باطل ہے، وہ واقع میں صحیح ہو اور میرا اس کو باطل سمجھنا مبنی بَر خطا ہو؛ کیونکہ کسی تاویل یا شبہ کے صحیح یا باطل ہونے کا فیصلہ کرنا غالب طور پر اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے، جس میں فیصل مخطی بھی ہو سکتا ہے اور مصیب بھی۔

جواب

احتمالِ بلا دلیل کا اعتبار نہیں، بہر حال اگر التزامِ کفر کا مسئلہ ہو یا بالفاظِ دیگر: ضروریاتِ دینی پر مشتمل مسئلہ ہو، تو ایسے شخص کے لئے جائز نہیں کہ اس شبہ کی بنیاد پر چُپ ہو کر بیٹھ جائے، یا عدمِ تکفیر کو موقف بنالے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ کتب کی ورق گردانی کرے یا علمائے حقّہ سے رابطہ کر کے درست مسئلہ معلوم کرے اور اسی پر اعتقاد رکھے، ورنہ بصورتِ دیگر امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق فوراً کافر ہو جائے گا، یاد دہانی کے لئے امامِ اعظم کا قول دوبارہ پیش کیا جاتا ہے:

"اگر کسی مسلمان پر علمِ توحید کے دقائق میں سے کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر فی الحال واجب ہے کہ اِجمالی طور پر اس بات کا اعتقاد کرے جو اللہ کے نزدیک صواب و درست ہے، یہاں تک کہ کسی عالم کو پائے تو اس سے پوچھے، اور اسے عالم کی جستجو میں تاخیر کا اختیار نہیں، اور وہ اس مسئلہ میں توقف کی وجہ سے، یعنی ان احوال کی معرفت میں تردّد کے سبب اور عالم سے سوال کے ذریعے حق کی تلاش نہ کرنے کے سبب معذور نہیں ہوگا، لہذا فی الحال کافر ہو جائے گا، اگر مستقبل میں ٹھیک عقیدہ بیان کرنے میں توقف کرے، اس لئے کہ توقف شک کا موجِب ہے، اور ایسی بات میں شک جس

کا اعتقاد کرنا فرض ہے انکار کی طرح ہے، اور اسی لئے علماء نے ہمارے اصحاب میں سے ثلجی کے قول کو باطل کہا جب ثلجی نے کہا قول: جو بات (قرآن میں آئمہ کے درمیان) متفق علیہ ہے میں اسے مانتا ہوں، اور وہ یہ کہ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم ہے"۔
("المعتقد المنتقد"، صـ۲۳۷).

یقیناً آپ کے اس شبہ کے دفعیہ کے لئے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کافی ہو گی۔

شبہ (۷): ہو سکتا ہے کہ وہ تاویل یا شبہ باطل ہونے کے باوجود بھی عند الشرع تکفیر و تفسیق سے مانع ہو؛ کیونکہ "درِ مختار"، "رد المحتار"، "البحر الرائق"، "مجمع الانہر" اور "طحطاوی علی المراقی" وغیرہ میں تاویلِ باطل اور شبۂ فاسد کو تکفیر و تفسیق سے مانع بتایا گیا ہے، اسی طرح "فتاوی رضویہ"، جلد ۶، صفحہ ۱۴۷ میں تصریح ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو اعتقاد کے ساتھ کافر کہے وہ عند المتکلمین بالاِجماع کافر نہیں ہے، اھ۔

جواب

مولانا صاحب کا یہ اِشکال بھی گزشتہ اِشکالات کی طرح خود ساختہ ہے، جیسا کہ مولانا صاحب بھی جانتے ہیں کہ ہماری گفتگو ایسی کفری عبارت کے بارے میں ہو رہی ہے جس میں کفرِ صریح متعین ہو، اور وہ ضروریاتِ دینی کے انکار پر مبنی ہو؛ کیونکہ ابتداء میں خود مولانا صاحب نے "حسام الحرمین شریف" کا ذکر کیا، اور اس کی تصدیق نہ کرنے والے کے حوالے سے ساری بات چلی، لہذا اب اس تناظر میں تو اس اِشکال کا کوئی محل نہیں؛ کیونکہ جو تاویل یا شبہ یا اختلاف عند الشرع تکفیر و تفسیق کا مانع ہے، وہ تو صرف فروعی مسائل یا لزومِ کفر سے متعلق ہے، جہاں تک التزامِ کفر کا تعلق ہے تو اس میں بلا تاویل اختلاف کرنے والے کا کم از کم درجہ کفر ہے، جیسا کہ فقہائے کِرام کی عبارت سے ظاہر ہے، ہاں البتہ جن لوگوں نے ضروریاتِ دین میں تاویل کی وجہ سے اختلاف کیا وہ ضرور گمراہ و بد دین ہیں، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے اَحکام تفصیلاً

لکھے ہیں، مگر یہاں ایک عبارت پر بس کرتا ہوں جو مولانا صاحب کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے کافی ہے، "شفاء" میں گمراہ فرقوں کے بارے میں ہے:

"لَكِنَّهُمْ هَجَرُوهُمْ وَأَدَّبُوهُمْ بِالضَّرْبِ وَالنَّفْيِ وَالْقَتْلِ عَلَى قَدْرِ أَحْوَالِهِمْ لِأَنَّهُمْ فُسَّاقٌ ضُلَّالٌ عُصَاةٌ أَصْحَابُ كَبَائِرَ عِنْدَ الْمحَقِّقِينَ وَأَهْلِ السُّنَّةِ مِمَّنْ لَمْ يَقُلْ بِكُفْرِهِمْ مِنْهُمْ خِلَافاً لِمَنْ رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ". ("الشفاء"، الجزء الثاني، صـ٢٥٥).

ترجمہ: "لیکن تابعین نے ان لوگوں (خوارج وقدریہ) کو الگ کیا، اور ان کے احوال کے مطابق پٹائی جِلا وطنی یا قتل کر کے تادیب کی؛ کیونکہ وہ محققین اور اہلِ سنّت کے وہ لوگ جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں تھے، ان کے نزدیک فساق، گمراہ، گناہ گار اور مرتکبِ کبائر ہیں، برخلاف ان کے جو اُن کی تکفیر کے قائل تھے"۔

جہاں مسلمان کو کافر کہنے والے کا تعلق ہے، تو ہم اس کا جواب سوال نمبر ۲ میں لکھ آئے ہیں، مختصر یہ کہ اس باب میں احادیث مؤوّل ہیں، اس لئے اس کی عند المتکلمین تکفیر نہیں کی گئی، المختصر: اس شبہ کے لئے بھی وہی حکم ہے کہ وہ تحقیق کرے، یا علماء سے رابطہ کرے، اور اس کا وہی حکم ہے جو شبہ نمبر ۵ اور ۶ کا ہے۔

پھر مولانا صاحب نے وہی طولانی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہالت ولاعلمی کفر کے لئے عذر ہیں، یعنی اگر کسی نے جہالت یا لاعلمی میں کوئی کفریہ بات کہی تو کافر نہیں ہوگا، راقم الحروف اس سلسلے میں یہ وضاحت کرنا چاہے گا کہ: عند المحققین جہالت ولاعلمی ان مسائل میں عذر ہو سکتی ہے جو ضروریاتِ دین سے نہ ہوں، یا وہ شخص جو ان کفریات کا مرتکب ہوا وہ نَو مسلم ہو یا دار الحرب میں رہتا ہو۔

بہر حال ان تمام صورتوں میں اس شخص کو آگاہ کیا جائے گا، اگر علم ہونے پر رجوع کر لیتا ہے تو ٹھیک، ورنہ اس پر حکمِ کفر ہوگا، اسی بات کو ہم گزشتہ صفحات میں "شفاء شریف" اور "المعتمد" کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔

پھر اسی طولانی تقریر کے بعد مولانا صاحب بڑی حیران کن بات لکھتے ہیں جس کی رُو سے خوارج ومعتزلہ، قدریہ وجبریہ وروافض، ووہابیہ ودیوبندیہ وغیرہم اپنے عقیدے کی گمراہی پر بھی ثواب کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔

مولانا صاحب اسی سوال نمبر ٦ صفحہ نمبر ۷۲ پر لکھتے ہیں: "مزید یہ کہ کسی شخص کا تاویلِ باطل وشبہٴ فاسد کی بنا پر کوئی کلام کرنا در حقیقت خطاءِ اجتہادی کے قبیل سے ہے؛ کیونکہ "بہارِ شریعت" جلد ۱، صفحہ ۳۹ کی رُو سے خطا دو قسم پر ہے: (۱) خطاءِ عنادی یعنی دیدہ ودانستہ امرِ حق کا خلاف کرنا، (۲) خطاءِ اِجتہادی یعنی کوشش کے باوجود حق تک نہ پہنچ سکنا، اس خطا پر عند اللہ اصلاً مؤاخذہ نہیں ہے؛ کیونکہ آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ مبارکہ کی رُو سے یہ خطا معاف ہے، بلکہ "بخاری"، "مسلم" اور دیگر احادیثِ صحیحہ کی رُو سے پوری کوشش کے باوجود حق تک رسائی نہیں ہوسکے، تو اس صورت میں یہ خطاءِ اِجتہادی موجِبِ اجر وثواب ہے، البتہ جس پر حق واضح ہو جائے اس پر اس خطا سے رجوع کرنا لازم ہے، اور جس پر حق نہ کھل سکے وہ شرعاً معذور ہے، لیکن اس کی تکفیر کی طرف کوئی راہ نہیں"۔

جواب

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کے نزدیک تمام گمراہ فرقے بھی اپنی گمراہی پر کم از کم ایک اجر کے تو مستحق ٹھہرے، مولانا صاحب نے سوال نمبر ۵ کی تمہید میں بھی علامہ علی قاری کی عبارت کے ترجمہ کے دوران ہوشیاری دکھاتے ہوئے اسی نظریہ کو پیش کرنے کی کوشش کی، ہم نے اسی مقام پر مولانا کے اس نظریہ کا بطلان لکھ دیا ہے، المختصر یہ کہ احادیث میں مجتهد في

المسائل کے لئے ثواب کی بشارت دی گئی ہے، نہ کہ عقائد میں خطا کرنے والوں کے لئے، علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ترجمہ: "علمِ توحید کے دقائق سے مراد ایسی اشیاء ہیں جن میں شک وشبہ ایمان کی منافی ہو، اللہ تعالی کی ذات وصفات پر یقین کے خلاف ہو، اور احوالِ آخرت میں سے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اُن کی کیفیت کی معرفت کا مُعارِض ہو، تو یہ بات اس کے منافی نہیں کہ امامِ اعظم نے بعض اَحکام میں توقف کیا؛ کیونکہ وہ شریعت کے مسائل میں توقف تھا، علمِ اَحکام میں اختلاف رحمت ہے، اور علمِ توحید واسلام میں اختلاف گمراہی وبدعت ہے، علمِ اَحکام میں خطا معاف ہے بلکہ اس میں غلطی کرنے والے کو اَجر ملتا ہے، جبکہ اس کے بَرخلاف علمِ کلام میں خطا کرنا بلاشبہ کفر اور جھوٹ ہے، اور غلطی کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے، یہ وہ ہے جس کا افادہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "فقہ اکبر" اور علامہ علی قاری نے اس کی شرح میں کیا"۔ ("المعتقد المنتقد"، صـ ٢٣٨).

نیز ابھی ساتویں شبہ کے رَد میں ہم "شفاء شریف" کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ: اصولی عقیدے میں اختلاف کرنے والا فاسق وفاجر، مرتکبِ کبائر اور گناہ گار ہے، اور علماء وتابعین نے ان کے حسبِ احوال کبھی پٹائی لگاکر، کبھی جِلا وطن کر کے اور کبھی قتل کر کے تادیب کی، مولانا صاحب! کہاں ان کے گناہ کا نظریہ اور کہاں ان کے مستحقِ ثواب ہونے کی امید...!، دونوں میں کتنا تفاوُت ہے...!۔

پھر مولانا صاحب نے دو شبہات نمبر ٨ اور ٩ بیان کئے، مگر ان شبہات کا بھی وہی حال ہے کہ بلا دلیل شبہات ہیں، بہر حال ان شبہات کا بھی وہی حکم ہے جو اس سے پہلے ٥، ٦، ٧ کا ہے، یعنی اسی بات کو اپنا موقف نہ بنالے، بلکہ اس کی تحقیق کرے، ورنہ بصورتِ دیگر التزامِ کفر کی صورت میں خود کافر ہو جائے گا۔

سوال نمبر ٥ کی طویل تقریر کے بعد مولانا صاحب لکھتے ہیں:

"اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمائیں کہ :اگر ظاہری طور پر کسی کلمہ گو مسلمان خصوصاً پابندِ شرع سے بے اعتقادِ کفر کسی شبہ وتاویل کی بناپر (اگرچہ واقع میں وہ صحیح نہ ہو) کوئی ایسا کلمہ سرزد ہو جو ظاہراً کفر ہو، تو اس صورت میں **اوّلاً:** کیا وہ قائل ایسا قطعی کافر ہوگا جس کے کافر ہونے میں شک کرنے والا بھی کافر ہوگا یا کہ نہیں؟، اگر ہوگا تو قرآن وسنّت کی روشنی میں مذکورہ بالا تمام امور کا ترتیب وار جواب دیتے ہوئے قائل کے کافر ہونے پر دلیل قطعی بیان فرمائیں!۔

ثانیاً: جو سنی المذہب عالمِ دین اس قائل کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہوگا یا کہ نہیں؟،اگر ہوگا تو دلائلِ قطعیہ کے ساتھ قائل کے کافر ہونے کو ضرورتِ دینی ثابت کریں!۔

ثالثاً: جس طرح احادیثِ صحیحہ کثیرہ میں کلمہ گو مسلمان کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے،اسی طرح کچھ ایسی احادیثِ صحیحہ بھی بیان فرمائیں جن میں قائلِ مذکور کو کافر کہنے کا حکم دیا گیا ہو۔

رابعا: جس طرح احادیثِ صحیحہ کثیرہ اور اقوالِ فقہاء کی رُو سے کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے،اسی طرح کچھ ایسی احادیث بھی بیان فرمائیں جن میں قائلِ مذکور کو کافر نہ کہنے والے کا خود کافر ہو جانا منقول ہو۔

خامساً: تمام کے تمام مسلمان معوّذتَین کے قرآن ہونے پر متفق ہیں، مگر اس کے باوجود "عالمگیری" کی رُو سے صحیح قول ان علمائے کرام کا ہے جو آج کے دَور میں بھی اس کے منکر کی تکفیر نہیں کرتے،اس سے معلوم ہوا کہ معوّذتَین کے منکر کی تکفیر نہ کرنے والے پر کوئی اِلزام (کفر، ضلالت، فسق) نہیں، پس جب معوّذتَین کے منکر کی تکفیر نہ کرنے والے پر کوئی اِلزام نہیں، تو جس شخصِ معیّن کا مسلمان یا کافر ہونا قطعیت وشہرت کے اعتبار سے معوّذتَین کے ہم پلہ نہ ہو، بلکہ اس سے کئی گنا کم تر ہو،تو کیا اس کے منکر کی تکفیر نہ کرنے والے پر شرعاً کوئی اِلزام (کفر، ضلالت، فسق) ہو سکتا

ہے؟، اگر ہو سکتا ہے تو پھر آج کے دَور میں معوّذتَین کے منکر کی تکفیر نہ کرنے والے پر کوئی اِلزام کیوں نہیں؟۔

سادساً: "عالمگیری" کے مذکورہ بالا معوّذتَین والے جزئیہ سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہے یا غلط؟، کہ جس شخصِ معیّن کے مسلمان یا کافر ہونے میں کسی صحابی کا اختلاف ہو، پھر دورِ صحابہ کے بعد امّت کا اس کے مسلمان یا کافر ہونے پر اِجماع ہو جائے، تو اس صورت میں صحیح یہ ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں ہوگا؛ کیونکہ اِجماعِ متأخر اختلافِ متقدم کو نہیں اُٹھا سکتا"۔

جواب

اوّلاً: شریعتِ مطہّرہ ظاہر پر حکم لگاتی ہے، لہذا اگر کوئی ظاہراً کسی کفریہ بات کو اپنا عقیدہ بیان کرے تو اس پر حکمِ کفر ہوگا؛ کہ مدارِ کار ظاہر پر ہے، اور دل کا معاملہ اللہ تعالی جانتا ہے، پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ اگر کوئی اس کفر کو کفر نہ مانے اور اس کے قائل کو کافر نہ جانے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کفر سے راضی ہے، یا اس کے نزدیک ایمان وکفر برابر ہیں، اور یہ دونوں ہی باتیں کفر ہیں، اور اگر وہ ان شبہات کی بنا پر اس کی تکفیر نہیں کرتا جو آپ نے بیان کئے ہیں، تو اسے حکم ہے کہ وہ تحقیق کرے اور علماء سے رابطہ کر کے حق بات معلوم کرے، اگر وہ اپنی جہالت یا خود ساختہ شبہات پر قائم رہتا ہے، تو اس پر اسی وقت حکمِ کفر ہے جیسا کہ امامِ اعظم کا موقف ہے۔

ثانیاً: اگر ضرورياتِ دین کا مسئلہ ہے، اور کفر متعین صریح ہو، اور اس عالم کے نزدیک یہ کفریہ کلمہ قائل سے ثابت بھی ہو، بالفاظ دیگر اس کے نزدیک کلام، تکلم اور متکلم کے بارے میں کوئی احتمال نہ ہو، تو ایسی صورت میں تکفیر نہ کرنے والا خود کافر ہو جائے گا؛ کہ ضرورياتِ دینی کے انکار کے مسئلے میں توقف موجبِ شک ہے، اور ضرورياتِ دینی میں شک کفر ہے، اور اگر وہ ان شبہات کی بنا پر اس کی تکفیر نہیں کرتا جو آپ نے بیان کئے ہیں، تو اسے حکم ہے کہ وہ تحقیق کرے اور علماء سے

رابطہ کر کے حق بات معلوم کرے، اگر وہ اپنی جہالت یا خود ساختہ شبہات پر قائم رہتا ہے، تو اس پر اسی وقت حکمِ کفر ہے، جیسا کہ امامِ اعظم کا موقف ہے۔

ثالثاً، رابعاً: متعدد احادیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس قسم کے لوگوں سے بچنے اور دُور رہنے کا حکم دیا ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ کا منافقین کو مسجد سے نکال دینا، اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام اور کفر میں، مسلم اور کافر میں فرق رکھنا ضروری ہے، ورنہ کیا وجہ ہے جو ارشاد فرمایا:

(۱)«يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ».

["صحيح البخاري"، رقم الحديث: ٦٩٣٠، صـ١١٩٤].

(۲)«شَرُّ قَتِيْل تَحتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ طُوبَى لمن قَتلهم أو قَتَلُوه».

["مناهل الصفا"، تحت رقم الحديث: ١٣٤٩، صـ٢٤٦، دار الجنان، بيروت].

(۳)«لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ».

["صحيح مسلم"، رقم الحديث: ٢٤٥١، صـ٤٣٠، دار السلام الرياض]

(٤)«لا سهمَ لهم في الإسلام».

["كنز العمّال"، رقم الحديث: ٦٣٩، ١/ ٨٢، دار الكتب العلمية بيروت].

(٥) روافض کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: [«إنّ الله اختارني فاختارلي أصحابي وأصهاري، وسيأتي قومٌ يسبّونهم وينتقصونهم، فلا تجالِسوهم، ولا تشارِبوهم، ولا تؤاكِلوهم، ولا تناكِحوهم».

["الضعفاء الكبير"، تحت رقم الترجمة: ١٥٣، ١/ ١٢٦].

(٦)«أترعون عن ذكر الفاجر؟، اذكروه بما فيه يعرفه النّاسُ».

["المعجم الكبير"، رقم الحديث: ١٠١٠، ١٩/ ٤١٨].

(۷) امام نووی امام ابو القاسم قشیری سے نقل فرماتے ہیں: "من سكت عن الحق فهو شيطان أخرس". ["شرح صحيح مسلم"، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف ولزوم الصمت، الجزء الثاني، صـ۲۰، بيروت: دار إحياء التراث العربي].

خامساً: مولانا کی اس بات کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کا کفر ثبوت کے اعتبار سے متواتر نہ ہو، یا معوّذتَین سے بھی شہرت میں کم ہو، تو اس کے منکر کی تکفیر نہ کرنا، نہ کفر ہے، نہ فسق اور نہ گمراہی ہے، مولانا کی یہ عبارت بتارہی ہے کہ مولانا خارج میں ہر معاملہ میں کسی بھی بات کے ثبوت کے لئے تواتر کی تلاش میں رہتے ہیں، اگر وہ بات تواتر سے معلوم ہو جائے تو مولانا کے نزدیک قطعی ہے ورنہ نہیں، گزشتہ صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ: یہ مولانا کی سَراسر غلط فہمی ہے اور خللِ دماغ ہے؛ کیونکہ اہلِ سنّت کے نزدیک قطعیت تواتر کے بغیر دیگر یقینی ذرائع سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً: کوئی خود اپنے کفر کا اقرار کرے، یا ہم بلا تاویل کسی کو کفر بکتا دیکھیں، تو یہ سب صورتیں قطعیت ہی کی ہیں، جبکہ قرآن وحدیث میں قطعیت کے لئے تواتر کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ قرآن وحدیث کا سارا مدار خبر پر ہے، اور خبر اس وقت ہی شبہ سے خالی ہوتی ہے جب وہ تواتر سے ثابت ہو، ہمارے زمانے میں قرآن وحدیث سے قطعیت ثابت کرنے کے لئے خبرِ متواتر کے بغیر چارہ کار نہیں، لیکن اس کے برعکس جب قرآن وحدیث سے قطعیت کا ثبوت صرف خبرِ متواتر پر موقوف نہ تھا، اس زمانے میں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن کر بھی سننے والے صحابی کے حق میں قطعیت حاصل ہو جاتی تھی، جیسا کہ اصولیین نے اپنی اپنی کتب میں اس بات کی صراحت کی ہے، لہذا مولانا کا ہر جگہ قطعیت کے لئے متواتر کی شرط لگانا درست نہیں؛ کیونکہ ہماری روزمرہ زندگی میں ہمیں بعض اوقات قطعیت حواسِ سلیمہ، یا عقل، یا عندالشرع معتبر دو گواہوں کی گواہی سے حاصل ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر کوئی ہمارے سامنے کفر بکے، صراحۃً ضرورتِ دینی کا انکار کرے، یا خود اپنے کفر کا اقرار کرے، یا عندالشرع معتبر دو گواہوں سے اس کا کفر ثابت ہو، اور کوئی اہلِ فتوی ہونے کے باوجود اس پر خاموشی اختیار کرے، یا معاذ

اللہ درست قرار دے، تو ظاہر ہے وہ خود کافر ہو جائے گا، جیسا کہ اس کے نزدیک ایمان و کفر برابر ہیں، ہاں اگر اسے شبہات ہوں تو کفر سے بچنے کے لئے وہ فوراً اس کی تحقیق کرے، یا علماء سے رابطہ کر کے درست مسئلہ کا اعتقاد کرے، لہذا مولانا صاحب کا اسے معوّذتین کی شہرت پر تولنا سراسر باطل ہے۔

جہاں تک یہ سوال کہ پھر معوّذتین کا منکر کیوں کافر نہیں؟، تو اس کا جواب یہ ہے کہ: صرف "عالمگیری" والوں کے نزدیک وہ کافر نہیں، ورنہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء تو صراحت کر چکے، اس زمانے میں انکار کرنے والا کافر ہوگا، ہاں "عالمگیری" والوں کے نزدیک کیوں کافر نہیں ہوگا؟، اس کا جواب تو خود آپ کئی مرتبہ "عالمگیری" کے حوالے سے لکھ چکے ہیں، یعنی اس میں سیّدنا ابن مسعود کے اختلاف کی وجہ سے۔

سادساً: یہاں پر سوال صرف شخصِ مخصوص کے کفر یا اسلام کی خبر سے متعلق ہے، اور اس کا جواب علی اختلاف قولین ہوگا، لیکن مولانا صاحب ہم جو بات کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ: اگر کسی کا کفر ثابت ہو تو علم ہونے کے بعد اس کی تکفیر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟، جبکہ آپ کے اسی سوال کو اس طرح سے پوچھا جائے کہ: اگر کسی کو معوّذتین کے قرآن ہونے کا علم ہو، پھر وہ اس کے قرآن ہونے کا انکار کرے، تو کافر ہوگا یا نہیں؟، اگر سر میں عقل ہے تو صاف صاف کہے گا کہ: "کافر ہے"؛ کہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے، اب اس میں یہ تاویل کرنا کہ: "اِجماعِ متأخر اختلافِ متقدم کو نہیں اٹھا سکتا" سَراسر غلط ہے؛ کیونکہ یہ تاویل صرف اسی کے حق میں صادق آسکتی ہے جو معوّذتین کے قرآن سے ہونے کو نہیں جانتا، اگر وہ پہلے سے جانتا ہو کہ معوّذتین قرآن میں سے ہے، تو انکار کی صورت میں یہ تاویل اس کا ساتھ نہیں دے سکتی، اسے کفر سے نہیں بچا سکتی؛ کیونکہ اب وہ خود اپنے عقیدے کے مطابق بھی قرآن کا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ علماء فرماتے ہیں کہ: حدیثِ موضوع کو بھی حدیث جان کر انکار کیا تو کافر ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۶

پھر مولانا نے "فتاوی رضویہ" کے حوالے سے ایمانِ ابی طالب سے متعلق کچھ عبارات نقل کیں اور لکھا:

مذکورہ بالا عباراتِ "فتاوی رضویہ" کی روشنی میں معلوم ہوا کہ جس شخص کے کافر ہونے پر دو آیاتِ قرآنیہ، پندرہ احادیثِ کریمہ، اسّی اقوالِ صحابہ و تابعین آئمۂ کرام اور ۱۳۰ حوالہ جاتِ کتبِ متعددہ موجود ہیں، وہ ایسا قطعی کافر نہیں جس کو کافر تسلیم نہ کرنے والا خود کافر ہو جائے؛ کیونکہ آیاتِ کریمہ میں دلالت کی جہت سے، اور احادیثِ مبارکہ میں ثبوت کی جہت سے، اور اقوالِ صحابہ و تابعین و آئمۂ کرام میں حجیت کی جہت سے قطعیت نہیں ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ جس شخص کا کافر ہونا آیتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ اور اقوالِ صحابہ و تابعین و فقہاء و محدّثین سے ثابت ہو، جب اس کا کافر ہونا قطعی نہیں، پھر جس کلمہ گو مسلمان، خصوصاً پابندِ شرع سے بے اعتقادِ کفر محض تاویل و شبہ کی بناپر (اگرچہ باطل و فاسد ہو) کوئی ایسا کلمہ سَرزد ہو جو ظاہراً کفر ہو، تو اس صورت میں اس کا کافر ہونا قطعی اور ضرورتِ دینی کیسے ہو گا؟، نیز یہ بتائیں کہ جس شخص کا کافر ہونا آیاتِ قرآنیہ (غیر قطعی الدلالہ) اور احادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ اور اقوالِ صحابہ و تابعین و غیرہما سے ثابت ہو، اس کو کافر نہ ماننے والے پر شرعاً کوئی حکم (ضلالت وفسق) عائد ہوتا ہے یا نہیں؟۔

جواب

جب آپ نے خود ہی بیان کر دیا کہ: "کفرِ ابی طالب میں قطعیت نہیں"، تو ظاہر ہے کہ اس کے منکر کی تکفیر تو کُجا، تفسیق بھی جائز نہیں؛ کیونکہ جانبِ مخالف میں اسی طرح کے دلائل سے ایمان بھی ثابت ہے، لیکن اس مسئلہ پر آج کے کسی شخص کو قیاس کرنا جس نے صراحۃً کلمۂ کفر کہا، جس میں ضرورتِ دینی کا انکار پایا جاتا ہو، سراسر قیاس مع الفارق ہے؛ کیونکہ یہاں اس کے کلمۂ کفر کے ثبوت کی قطعیت کے لئے خود اس کا اقرار کر لینا، یا گواہانِ شرعیہ کافی ہیں؛ کیونکہ عند الشرع یہ دونوں باتیں اقرار،

یا گواہانِ شرعی یقین کے لئے کافی ہیں، لہذا یہ کہنا کہ: "ایسے شخص کا کافر ہونا کیسے قطعی ہو سکتا ہے؟" سراسر غلط ہے، نیز اگر وہ سچا مسلمان ہے تو اپنی غلطی سے باز آجائے، توبہ کر لے، اور جمہور اہلِ سنّت کا ہمنَوا ہو جائے، پھر بار بار اسی بات کی تکرار کرنا کہ: "کلمہ گو مسلمان، خصوصاً پابندِ شرع سے بے اعتقادِ کفر محض تاویل وشبہ کی بنا پر ایسا کلمہ سرزد ہونا جو ظاہراً کفر ہو، تو اس صورت میں اس کا کافر ہونا کیسے قطعی ہو سکتا ہے؟!" یہ بھی غلط اور شریعت کے اَحکام کے خلاف ہے؛ کیونکہ شریعت کا مدار ظاہر پر ہے، اور جو التزامِ کفر کرے، اس پر حکمِ کفر ہوگا، خواہ کیسا ہی نیک ہو، معذرت کے ساتھ! آپ کی یہ فکر مولوی رشید احمد گنگوہی کے مثل ہے؛ کہ جب علمائے اہلِ سنّت مرزا غلام احمد قادیانی پر اس کے التزاماتِ کفر کی وجہ سے کفر کا حکم لگا رہے تھے، حالانکہ ابھی اس نے دعویٔ نبوّت نہیں کیا تھا، تو مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب اس کی تائید میں وہی بات کہہ رہے تھے جو آج آپ کہہ رہیں، قادیانی کی حمایت میں گنگوہی کے ہفوات بالتفصیل تو کتاب "عقیدۂ ختمِ نبوت" کی جلدِ اوّل میں دیکھے جا سکتے ہیں، مگر یہاں چند ایک کلمات نقل کئے جاتے ہیں:

" قال (گنگوہی): تکفیرِ مسلم کہ ایسا امرِ سہل نہیں کہ اس طرح ذرا سی بات پر جھٹ پَٹ کافر کہہ دیا جاوے، خیال فرما ویں کہ فخرِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کیا فرماتے ہیں، "مشکاۃ شریف" کی کتاب الایمان میں ہے: «ثلاث من أصل الإيمان: الكف عمَّن قال: لاَ إلهَ إلاّ الله، لا تكفِّره بذنبٍ ولا تُخرجه من الإسلام بعمل»... الحدیث، دوسری حدیث ہے کہ: «جو کوئی تکفیر مسلمان کی کرتا ہے، تو اس تکفیر میں دونوں میں سے ایک ٹھکانا لیتا ہے»"۔

("عقیدۂ ختم نبوت" بحوالہ "فتاوی قادریہ"، ج ۱، ص ۷۳ مطبوعہ الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیہ).

اسی میں ہے: " قال (گنگوہی): اور صاحبِ مذہب سے منقول ہے: "لا نكفِّر أحداً من أهل القبلة" کہ جس کے باعث علماء نے تکفیرِ معتزلہ وغیرہ اہلِ ہَوا سے اجتناب کیا ہے، اگرچہ

ہفواتِ معتزلہ آپ کو معلوم ہیں کہ کس درجہ کے ہیں، علی ھذا القیاس شیعہ کی تکفیر میں اکثر کو تردّد ہے"۔

اسی میں ہے: "قال (گنگوہی): کون قول صاحبِ "براہین" کا ہے جو معتزلہ اور روافض کے کسی عقیدہ کے اور قول کے برابر بھی ہو، اور تاویل صحت کی قبول نہ کر سکے کہ جس پر آپ نے ارتدادِ قائل کا فتوی دے دیا؟!"۔

اسی میں ہے: "قال (گنگوہی): مولانا! اس صورت میں آپ کی تکفیر سے شاید کوئی اوّلین آخرین لوگ نجات نہ پائیں، جب علمائے متکلمین تکفیر معتزلہ کی نہیں کرتے، اور خلق ان کی معتقد ہے!"۔

اسی میں ہے: "قال (گنگوہی): مولانا! کسی مسلمان کی تکفیر کر کے اپنے ایمان کو داغ لگانا اور مؤاخذۂ اُخروی سر پر لینا سخت نادانی و حماقت ہے"۔

پھر گنگوہی نے مرزا کو صالح مسلمان قرار دیا: "قال (گنگوہی): یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا غلام احمد قادیانی) کو کافر فاسق نہیں کہتا، ان کو مجدِّد ولی بھی نہیں کہہ سکتا، صالح مسلمان سمجھتا ہوں"۔

یہ سب عبارتیں نقل کرنے کا مقصد آپ کو باور کرانا ہے کہ فتوی ظاہر پر ہوتا ہے، جب ظاہراً اس سے التزامِ کفر کا مرتکب ہوا تو اس پر حکمِ کفر ناگزیر ہے۔

پھر ایسے شخص کی تکفیر کو ضرورتِ دینی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا کفر ضرورتِ دینی کے انکار پر مبنی ہوتا ہے، اور یہ ضرورتِ دینی کی دوسری قسم سے ہے، جس میں شہرت کی ضرورت نہیں، صرف علم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ جو ان کے کفر پر مطلع ہو کر بھی تکفیر نہ کرے وہ خود کافر ہے، اگر ایسے شخص کا کفر ضرورتِ دینی کی پہلی قسم سے ہوتا تو علم کی قید نہ لگائی جاتی۔

سوال نمبر ۷

مولانا صاحب نے گزشتہ سوالات کی طرح اس سوال میں کچھ تقریر فرمائی، پھر صفحہ نمبر ۳۰ پر ایک سوال کے بجائے پانچ سوالات لکھ ڈالے، اب علماء کو مکلّف کر رہے ہیں کہ میرے اِشکالات کا جواب دیں، حالانکہ اس کے برعکس دعوتِ اسلامی والوں نے آپ سے چند سوالات کئے ہیں، جن کا جواب ہاں یا نہ میں دیا جاسکتا ہے،اور آپ اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں، بہر حال آپ کے سوالات مع جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

مولانا صاحب لکھتے ہیں: "اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمائیں کہ **اوّلاً:** اگر کوئی مجتہد اور اس کی اتباع کرنے والے خواص و عوام کسی فاسق و فاجر کلمہ گو شخص کے کافر ہونے پر متفق ہو جائیں، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین یزید کے کافر اور لعنتی ہونے پر متفق ہیں، تو دریں صورت اس شخص کا کافر ہونا قطعی ہو گا یا کہ نہیں؟۔

جواب

اگر اس کے کفر کی قطعیت ظاہر ہو جائے، یعنی اس نے التزامِ کفر کیا ہو، اور ثبوت کی جہت سے بھی کوئی شبہ نہ ہو، تو جس طرح نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی کا کفر ہے، اُس کا کفر بھی قطعی ہو گا، بصورتِ دیگر ایسے شخص کا کفر قطعی نہیں ہو گا، اسی لئے ہمارے معتمد علیہ علماء نے دیوبندی اکابر کی تکفیر میں ان کے کفر کے ساتھ علم کی قید لگائی ہے، لیکن جہاں تک یزید کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں خود کفر کے فتوی دینے والوں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ مَن شكّ في عذابِه وكفرِه، تو اس کا منکر کیسے کافر ہو جائے گا؟، لہذا یزید کے مثل شخص کی تکفیر کا بھی یہی حکم ہو گا۔

ثانیاً: اگر کوئی شخص اس کے کافر ہونے کو تسلیم نہ کرے تو اس پر شرعاً کیا حکم ہے؟۔

جواب

جس شخص پر اس کا التزامِ کفر بلا احتمالاتِ ثلاثہ (یعنی کلام، تکلم اور متکلم میں احتمال) ظاہر ہو، اور وہ پھر بھی اس کی تکفیر نہ کرے، تو بلاشبہ کافر ہے، اور جسے ان احتمالات میں سے کوئی احتمال پیش آئے، تو اس پر حکمِ کفر نہیں۔

ثالثاً: اگر شخصِ مذکور کا نہ تو کافر ہونا قطعی ہو، اور نہ ہی عدمِ تکفیر پر شرعاً کسی قسم کا کوئی اِلزام آتا ہو، تو پھر کیا موجودہ دَور میں اگر بعض غیر مجتہد علمائے کرام اور ان کے متبعین خواص و عوام ظاہری طور پر کسی سنّی المذہب یا پابندِ شرع کلمہ گو مسلمان کی تکفیر پر متفق ہو جائیں، تو کیا اس صورت میں شخصِ مذکور کے کافر ہونے کو تسلیم نہ کرنے والے علمائے دین اور ان کے متبعین پر شرعاً کوئی اِلزام ہے؟، اگر ہے تو دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائیں!۔

جواب

اگر ایسے شخص نے التزامِ کفر کیا ہو، اور ثبوت کی جہت سے بھی کوئی شبہ نہ ہو، تو علم ہونے پر اس کی تکفیر ضرورتِ دینی کی دوسری قسم سے ہے، خواہ اس پر کوئی اپنی جہالت کی وجہ سے مجتمع ہو یا نہ ہو، چنانچہ جسے اس کے التزامِ کفر کا علم ہو جائے، تو اب اس کا انکار و تکفیر لازمی ہے، اور اگر وہ یا اس کے متبعین ایسے ضرورتِ دینی کے منکر کی تکفیر نہ کریں تو خود کافر ہیں، مسئلہ بدیہی ہے، اس پر دلائل کی کیا حاجت!، "المعتقد" کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ ثلجی کی تکفیر اسی وجہ سے کی گئی، نیز میرے اور آپ کے معتمد علیہ بزرگوں نے واضح لفظوں میں فرما دیا کہ: "مَن شكّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر".

رابعا: اگر شخصِ مذکور کو کافر نہ ماننے والے علماء پر کوئی اِلزام نہیں تو اس صورت میں ان علماء کو کافر، گمراہ یا فاسق وغیرہ کہنے والے کے لیے شرعاً کوئی حکم ہے یا کہ نہیں؟، دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں۔

جواب

اِلزام کیوں نہیں، سَراسر اِلزام، بلکہ کفر کااِلتزام ہے، لہذاانہیں بُرا کہنے میں کوئی حرج نہیں، حدیث شریف میں ہے: «أَتَرعون عن ذكر الفاجر!، متى يعرفه النّاسُ؟!، اذكروا الفاجرَ بما فيه يحذره النّاس».

ترجمہ: "کیا تم فاجر کی رعایت کرتے ہو؟!،لوگ کب انہیں پہچانیں گے؟!،فاجر میں جو بُرائی پائی جاتی ہے اُسے بیان کرو،تاکہ لوگ اس سے بچیں"۔

اگر مسئلہ لزومِ کفر کا ہو تواس کے منکر کی تکفیر کرنا سَراسر غلط اور سخت گناہ ہے، بلکہ خود ایسے شخص پر توبہ وتجدیدِ ایمان لازم ہے۔

خامساً: جو کسی تاویلِ باطل وشبہ فاسد کی بناپر کسی مسلمان کو کافر کہے،اس کو مذہبِ فقہاء پر تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح وغیرہ کا حکم دیا جائے گا یا کہ نہیں؟۔

جواب

اگر اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی تاویلِ باطل یاشبہ فاسد کا اعتبار نہ کرتے ہوئے التزامِ کفر کی وجہ سے قائل کی تکفیر کرے، تو ظاہر ہے اس کا تکفیری حکم درست ہے،اسے توبہ کا حکم کیوں دیا جائے گا؟، بلکہ التزامِ کفر کی وجہ سے خود قائل کو عند المتکلمین بھی تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح وغیرہ کا حکم دیا جائے گا، اور اگر اس نے لزومِ کفر کیا تو بھی عند الفقہاء اس کے لئے توبہ وتجدیدِ ایمان لازم ہے، جیسا کہ مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "فتاوی" میں صراحت کی ہے۔

اور اگر اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مفتی نے بلاوجہ غلط تاویل کر کے کسی پر حکمِ کفر لگا دیا، تو وہ مخطی ہے، اب اسے احتیاطاً توبہ وتجدیدِ ایمان کی ضرورت ہے؛ ظاہر حدیث: «باء بأحدهما» کے پیش نظر۔

سوال نمبر ۸

اس سوال میں بھی پہلے مولانا صاحب نے تمہید باندھی اور علامہ قرافی کے حوالے سے لکھا کہ: "ضرورتِ دینی کی قسمِ اوّل کا انکار کرنے والا اُس وقت کافر ہے جب وہ اسے جانتا ہو"، یہ بات درست نہیں؛ کیونکہ شافعی مذہب وہ ہے جو ہم امام ابن حجر کے حوالے سے شروع میں لکھ آئے کہ: "ضرورتِ دینی کی قسمِ اوّل (یعنی جو قطعی اور مشہور ہو) کا منکر کافر ہے، خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو، سوائے یہ کہ وہ قریب بعہدِ اسلام ہو"، اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات امام الحرمین اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہما کی تحریرات سے اخذ کی ہے، البتہ علامہ قرافی کے قول کی یہ تاویل ہے کہ: "ایسا شخص عند اللہ اس وقت کافر ہوگا جب اسے علم ہو، ورنہ تکفیر کا مدار ظاہر پر ہے، اور دار الاسلام میں جہالت عذر نہیں، لہذا ضرورتِ دینی کے قصداً انکار پر اس کی تکفیر کی جائے گی"، لہذا اسے شافعی مذہب کہنا غلط ہے، اسی طرح مولانا صاحب نے بعض حنفیہ کے حوالے سے "جامعِ اَصغر" کی روایت کے حوالے سے کفر میں ارادۂ قلبی کا ذکر کیا، حالانکہ اسی کے متصل امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی حیثیت بھی بیان کی اور وضاحت فرما دی کہ اس روایت سے کیا مراد ہے، ذرا دیکھ بھی لیجئے مولانا صاحب...!:

"چنانچہ میں نے یقین کر لیا کہ اس شخص کے لئے کوئی جائے فرار نہیں، اور نہ ہی حکمِ تکفیر سے ہٹنے کی کوئی گنجائش ہے، ہاں مگر ایک ضعیف روایت جو ہمارے بعض علماء سے "جامعِ اصغر" میں منقول ہے، وہ یہ کہ ارادۂ قلبی معتبر ہے، "جامعِ اصغر" میں اس کو وارد کیا پھر اس کا خوب رَد کیا"۔ ("الفتاوى الرضوية"، ٢٧/ ١٨٠).

کیوں مولانا صاحب! بار بار "جامعِ اصغر" کی روایت کی رَٹ تو لگائی ہے، مگر یہ نہ دیکھا کہ انہی حضرات نے اُس کا رَد بھی کیا ہے۔

پھر دو سطر بعد فرماتے ہیں: "مولیٰ تبارک وتعالی نے مجھ پر آشکار فرما دیا کہ تکفیر پر اِجماع ہے، نزاع تو فقط کفر میں ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس نے بخوشی جان بُوجھ کر

بقائمی ہوش وحواس کلمۂ کفر بولا، وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر کافر ہے،اس میں دو بکریاں سینگ نہیں لڑائیں گی، ہم اس پر مرتد ہونے کے اَحکام جاری کریں گے"۔

("الفتاوى الرضوية"، ٢٧/ ١٨١).

کیوں مولانا صاحب! دیکھا کہ نزاع اس کے کفر میں ہے کہ عند اللہ کافر ہوگا یا نہیں!،اس کی تکفیر میں نہیں،اور ہمارا مسئلۂ مبحوث فیہا تکفیر ہے کفر نہیں، لہذا اس روایت سے آپ کے خود ساختہ اِشکال کو کوئی تقویت نہیں ملتی،اس کے برعکس تکفیر پر اِجماع ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے، بہر حال اس تمہیدِ ضعیف کے بعد مولانا اپنا اِشکال لکھتے ہیں:

"بعبارت اُخری اگر یہ قول کہ: "منکر ضروریاتِ دین کے کافر ومعذَّب ہونے میں شک کرنے والا کافر ہے" اپنے اِطلاق پر رکھا جائے تو کیا اس صورت میں ان فقہائے کرام کی تکفیر لازم نہیں آئے گی جو مطلقاً ضرورتِ دینی کے منکر کی تکفیر نہیں کرتے؟، بلکہ وہ یا تو اس کے ضرورتِ دینی ہونے کا علم شرط قرار دیتے ہیں، یا پھر اعتقادِ قلبی کو معتبر مانتے ہیں؟"۔

جواب

اس اِشکال کا جواب ہو چکا کہ: جن علماء کے حوالے سے ضروریاتِ دین کے منکر کے لئے علم یا ارادۂ قلبی کی شرط کا ذکر آیا ہے،اس سے عند اللہ کافر ہونا مراد ہے، یہ شرائط تکفیر کے لئے نہیں؛ کیونکہ امامِ اہلِ سنّت فرما چکے کہ: "تکفیر میں اِجماع ہے"، یعنی کسی کا اختلاف نہیں۔

سوال نمبر ۹

صفحہ نمبر ۳۲ پر سوال نمبر ۹ کی تمہید کے بعد لکھتے ہیں:

اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بتائیں کہ اگر کسی سنّی المذہب کلمہ گو مسلمان سے کسی تاویل وشبہ (اگرچہ باطل ہو) کی بنا پر بلا اعتقادِ کفر ظاہری طور پر کوئی کلمۂ کفر سرزد ہو گیا ہو، تو کیا اس کے مرنے کے بعد اپنے قیاس واجتہاد کی بنیاد پر اس کے اُخروی احوال کو

بیان کر کے اس کی مذمّت کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟، مثلاً: کیا یوں کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص واصلِ جہنم ہوا، فلاں شخص جہنمی ہے، فلاں شخص معاقَب و معذَّب ہے، فلاں شخص کے عقاب و عذاب میں شک کرنے والا کافر ہے، فلاں شخص لعنتی ہے، فلاں شخص ایسا پکا کافر ہے کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی اسی کی مثل ہے، وغیرہ وغیرہ، اور اگر اس طرح کہنا جائز نہ ہو تو پھر جو ایسا کہے اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟۔

جواب

بلاشبہ اپنے قیاس واجتہاد کی بنیاد پر اس کے اُخروی احوال بیان کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی مرنے والے کے بارے میں کہنا کہ: "فلاں شخص جہنم واصل ہوا"، یا "فلاں شخص لعنتی ہے"، درست نہیں، بلکہ گناہ اور خلافِ عقیدۂ اسلامیہ ہے؛ کیونکہ ان میں اس مرنے والے کے مرنے کے بعد کے احوال کی خبر دی جا رہی ہے، ہاں البتہ بقیہ الفاظ مثل "فلاں شخص جہنمی ہے"، "فلاں شخص معاقَب و معذَّب ہے"، "فلاں شخص کے عقاب وعذاب میں شک کرنے والا کافر ہے"، "فلاں شخص ایسا پکا کافر ہے کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی اسی کی مثل ہے"، یہ تمام الفاظ مَن شكَّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر کے قبیل سے ہیں، اور یہ الفاظ ان لوگوں کے ہیں جو ہم سے زیادہ علم والے، تکفیرِ مسلم میں ہم سے زیادہ اجتناب واحتیاط والے تھے، اور عقیدۂ اسلامیہ کو مدِ نظر رکھ کر اس قسم کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ: "جو اِن کے کفر پر مطلع ہو کر دنیا میں ان کے کفر اور آخرت میں مستحقِ عذاب وجہنم ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے"؛ کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے وعیدیں خود قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں، اور علماء کا کام گمراہی سے بچانا ہے، اور وہ لوگوں کو بُرائی سے بچانے کے لئے یہ نہ کہیں تو کیا کہیں؟!، حالانکہ یہ بات ان لوگوں نے کہی ہے جن پر ہمارا اعتماد ہے، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وحكم المبتدع البغضُ والعداوةُ والإعراضُ عنه والإهانةُ والطعنُ واللعنُ وكراهيةُ الصّلاة خلفَه". ("شرح المقاصد"، ٥/ ٢٣١، مطبوعة منشورات الشريف الرضي).

ترجمہ: "بدعتی کا حکم یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھی جائے، لاتعلقی کی جائے، اس کی اہانت کی جائے، اس پر لعنت طعن کیاجائےاور اس کے پیچھے نماز مکروہ سمجھی جائے"۔

دیکھئے مولانا صاحب! علامہ سعد الدین رحمۃاللہ علیہ بدعتی کا یہ حکم بیان فرما رہے ہیں، اور آپ کو کافر پر بھی طعن کرنے میں اعتراض ہے، مزید دیکھئے! علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃاللہ علیہ "المعتقد" میں امام غزالی رحمۃاللہ علیہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

"احیاءعلوم الدین میں یہ بھی ہے کہ: "اہلِ سنّت کے عقیدے کا مخالف یا بدعتی ہے یا کافر ہے، اور بدعتی یا تو اپنی بدعت کی طرف بلانے والا ہوگا یا خاموش، یہ خاموشی یا تو اس کے کمزوری کی وجہ سے ہوگی یا اختیاری ہوگی، تو فسادِ عقیدہ کی تین قسمیں ہیں: پہلی کفر ہے، اب کافر اگر اہلِ اسلام سے جنگ کرتاہے تو وہ قتل اور غلام بنائے جانے کا مستحق ہے، اور ان دونوں کے بعد توہین کا کوئی درجہ نہیں رہا، ذِمی کافر کو اِیذاءدیناجائز نہیں، مگر اس سے رُو گردانی کی جائے، اور اس کی تحقیر کی جائے، بایں طور کہ اس کو سب سے تنگ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے"، یہاں تک کہ امام غزالی نے فرمایا: "دوسری قسم وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف بلاتا ہو، اب اگر بدعت اس حیثیت کی ہو کہ اس کے سبب وہ شخص کافر ہو، تو ایسے بدعتی کا معاملہ ذِمی کافر سے سخت تر ہے، اس لئے اس کو جزیہ لے کر برقرار نہ رکھاجائے گا، اور اسے عہدِ ذِمہ دے کر معاف نہ کیا جائے گا، اور اگر بدعت اس قبیل سے ہو جس کی وجہ سے وہ شخص کافر نہ ٹھہرے، تو اس کا معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان لامحالہ کافر سے خفیف تر ہے، لیکن اس پر انکار کا حکم کافر پر انکار سے زیادہ سخت ہوگا؛ اس لئے کہ کافر کا شر متعدّی نہیں، اور بے شک مسلمان اس کو کافر جانتے مانتے ہیں، تو اس کے قول کی طرف اِلتفات نہیں کرتے، اور کافر اپنے لئے اسلام اور اعتقادِ حق کا مدّعی نہیں، رہا

وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دوسروں کو بلائے،اور یہ گمان رکھے کہ جس کا وہ داعی ہے وہ حق ہے، تو وہ شخص خلق کی گمراہی کا سبب ہے، تواس کا شر متعدّی ہے، تو اس سے بغض کو ظاہر کرنا شرعاً پسندیدہ ہے،اور اس کی دشمنی،اور اس سے جُدائی،اور اس کو حقیر جاننا،اور اس کی بدعت کے سبب اس کی بُرائی بیان کرنا،اور لوگوں کو اس سے سخت نفرت دلانا شرعاً بہت زیادہ پسندیدہ ہے،اور اگر بدعتی تنہائی میں سلام کرے تو اس کے جواب میں حرج نہیں،اور اگر تم جانو کہ اس سے رُو گردانی اور اس کے سلام کے جواب میں تمہارا خاموش رہنا اس کے جی میں اس کی بدعت کو بُرا ٹھہرائے گا،اور اس کو باز رکھنے میں مؤثر ہوگا، تو جواب نہ دینا اَولیٰ ہے؛اس لئے کہ سلام کا جواب اگرچہ واجب ہے، پھر بھی اس صورت میں مصلحۃً وجوب ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ انسان کے حمام میں یا قضائے حاجت میں مشغول ہونے کی صورت میں جوابِ سلام کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اور بدعت سے باز رکھنے کی غرض اُن اَغراض سے زیادہ اہم ہے،اور اگر وہ شخص بھَری محفل میں ہو تو لوگوں کو اس سے نفرت دلانے کے لئے اس کی بدعت کی بُرائی لوگوں کی آنکھوں میں آشکار کرے، اور اسی طرح اس کے ساتھ بھلائی نہ کرنا اور اس کی مدد سے باز رہنا اَولیٰ ہے، خصوصاً اس صورت میں جو عام لوگوں کے لئے ظاہر ہو، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: «جو کسی بدعت والے کو ڈانٹے، اللہ اس کا دل امن وایمان سے بھَر دیتا ہے،اور جو کسی بدمذہب کی توہین کرے، اللہ تعالیٰ بڑی گھبراہٹ کے دن اس کو امن دے گا،اور جو اس کے لئے نرم ہو، یا اس کی عزّت کرے، یا اس سے خوشی کے ساتھ ملاقات کرے، بے شک اس نے اس کو ہلکا جانا جو اللہ نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا»، تیسرا وہ عاصی بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف بلانے کی قدرت نہیں رکھتا، لوگوں پر اس کی اِقتداء کا اندیشہ نہیں، تو اس کا معاملہ اگلے سے ہلکا ہے، تو اَولیٰ یہ ہے کہ ابتداءً اس کے ساتھ سختی اور اِہانت کا برتاؤ نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ نصیحت کے ذریعے مہربانی کی جائے؛ اس لئے کہ عام لوگوں کے دل جلدی پھر جاتے ہیں، پھر اگر اس کو نصیحت نفع نہ دے،اور اس سے رُو گردانی

کرنے میں اس کی نظر میں اس کی بدعت کی بُرائی ظاہر ہوتی ہو، تو اس صورت میں اس سے رُو گردانی کا استحباب مؤکد ہے (پوشیدہ نہ رہے کہ یہاں بھی استحباب بمعنی وجوب ہے)، اور اگر وہ جانے کہ اس اِعراض کا اس پر اس کی سخت طبیعت کی وجہ سے، اور اس بدعت کے اعتقاد کا اس کے دل میں راسخ ہونے کی وجہ سے اثر نہیں ہوگا، تو اس سے رُو گردانی اَولی (واجب) ہے؛ اس لئے کہ اگر بدعت کی بُرائی ظاہر کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے تو وہ مخلوق کے درمیان پھیل جائے گی، اور اس کی خرابی عام ہوگی"۔ ("المعتقد" مترجم، ص۳۲۷۔ ۳۴۴).

دیکھئے امامِ اہلِ سنّت "المعتمد" میں کیا فرما رہے ہیں:

"یہ لوگ مسلمانوں کو کافروں سے زیادہ نقصان دے رہے ہیں؛ اس لئے کہ مسلمان کیسا ہی جاہل ہو، جانتا ہے کہ کافر کُھلے باطل پر ہے، تو مسلمان اس کی طرف نہیں جھکتا، اور اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتا جو کافر اپنے منہ سے بکتا ہے، رہا بدعتی تو اس کی بات ایسی لگتی ہے جیسے خارش کا مرض لگتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، تو بدعتی کو دیکھو جب وہ بناوٹی خشوع کرتا دکھاوا و بناوٹ کرتا ہوا آئے، اپنی داڑھی سنوارے ہو، لمبا چوڑا جبہ پہنے ہو، اپنا عمامہ دراز کئے ہوئے ہو، لوگوں کو اپنے امام ہونے کا وہم دلائے، لوگوں کے سامنے عالموں کے بھیس میں آئے، آیتیں پڑھے، جاہلوں کے پاس روایتیں نقل کرے، اور پھر ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالے کہ جو وہ کہتا ہے وہی اللہ عزّوجلّ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے ثابت ہے، تو یہی وہ لاعلاج مرض اور مکر ہے جس سے پہاڑ سرک جائیں، تو سب سے زیادہ اہم شے اس کا کام بگاڑنا، اذنِ الٰہی سے اس کے داؤ کو اسی کی گردن میں لوٹانا، اس کی منکر بات کو بدل دینا ہے اور اس کی تمام خرابیوں کو مشہور کرنا ہے، اور یہ حدیث ہے جو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی مذمّت میں روایت کی، اور حکیم ترمذی وحاکم نے "کنٰی" میں، اور شیرازی نے "اَلقاب" میں، اور ابن عَدی وطبرانی نے "معجم کبیر" میں اور بیہقی وخطیب نے بہز ابن حکیم سے روایت کی، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے، اور وہ روایت

کرتے ہیں اپنے دادا سے، اور وہ روایت کرتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ سے: "کیا تم فاجر کے ذکر سے باز رہتے ہو؟!، لوگ اس کو کب پہچانیں گے؟، فاجر کا ذکر کرو اس کے اندر جو بُرائی ہے وہ بیان کرو؛ تاکہ لوگ اس سے بچیں"۔ ("المعتمد"، ص ۳۴۲).

کیوں مولانا صاحب! ان حوالوں سے یہی ظاہر ہے نا کہ بدعتی کی بُرائی بیان کی جائے، ہاں البتہ موت کے بعد کے معاملات کے بارے میں قیاس آرائی نہ کی جائے، لیکن استحقاقِ عذاب کا ضرور پرچار کیا جائے؛ تاکہ لوگ اس کی بدعت سے بچیں۔

سوال نمبر ۱۰

اس سوال میں مولانا نے ایک مختلف انداز سے وہی بات دہرائی ہے جو گزشتہ سوالات میں بار بار دہرا چکے ہیں، لہذا اس کے جواب کی حاجت نہیں۔

سوال نمبر ۱۱

جس شخص کا کافر ہونا قطعی الدلالہ آیت، قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، یا قطعی الدلالہ اِجماعِ قطعی للصحابہ سے ثابت نہ ہو، اور خصوصاً جب ظاہری طور پر وہ کلمہ گو مسلمان ہو، اور ہمیں اس کے کسی قطعی کفریہ اعتقاد پر اطلاع نہ ہو، لیکن کسی تاویلِ باطل وشبۂ فاسد کی بنا پر اس سے کلمۂ کفر سرزد ہوگیا ہو، تو اس صورت میں اسے کافر قرار دینے کا کوئی ایسا ضابطہ نظر نہیں آتا جو دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت ہو؛ کیونکہ اوّلاً: اگر قطعی ضابطہ یہ بنایا جائے کہ: "ضروریاتِ دین کا منکر قطعی کافر ہے"، تو اب اگر ضرورتِ دینی کی تعریف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر یہ کی جائے کہ: "جو مسئلہ دینیہ قطعیہ جس کے نزدیک بدیہی ہو وہ اس کے حق میں ضرورتِ دینی ہے"، تو اس صورت میں اس ضابطہ کی رُو سے تکفیرِ قطعی تین امور کی قطعیت پر موقوف ہے:

۱-اس مسئلۂ دینیہ کو دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کیا جائے۔

۲-اس مسئلۂ دینیہ قطعیہ کا اس کے نزدیک بدیہی ہونا دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کیا جائے۔

۳- انکارِ حقیقی کا تحقق بھی دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کیا جائے۔

جواب

یہ سوال بھی بناء الغلط علی الغلط کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے، اور اس میں غلطیاں کی گئی ہیں، ان تمام کی نشاندہی گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر کر دی گئی ہے، اور ضابطۂ تکفیر ہمیں بنانے کی حاجت نہیں؛ کہ ہمارے علماء فیضِ رسول صاحب کی پیدائش سے صدیوں پہلے بنا چکے ہیں، جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا، اور جہاں تک کسی کے کفر کی قطعیت کا تعلق ہے، تو اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہمارے جمہور فقہاء نے اپنی کتب میں ایسے اقوال لکھے ہیں جن کی وجہ سے قائل کافر ہو جاتا ہے، اور اس کی تکفیر کی جاتی ہے، لہذا فقہاء کے نزدیک قطعیت ثابت ہو جاتی ہے، تبھی انہوں نے یہ اقوالِ کفریہ لکھے ہیں، ورنہ ان کا لکھنا فضول وعبث ہوتا۔

بہر حال مولانا کے اِشکال کا بالتفصیل حل بھی لکھ دیتے ہیں:

مولانا صاحب کا یہ اِشکال امامِ اہلِ سنّت کی بیان کردہ ضروریاتِ دین کی ایک تعریف پر مبنی ہے، حالانکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ وہ تعریف ضروریاتِ دینی کی پہلی قسم نہیں بلکہ دوسری قسم ہے، اور اس میں قائل کی تکفیر کے لئے اس قطعی وضروری کا قائل کو معلوم ہونا ضروری ہے، جیسے ابتداء میں بیان کر دیا گیا ہے، اب مولانا نے جو تین امور بیان کئے ہیں، اہلِ علم کے لئے ان کا تحقق کوئی ایسی بڑی بات تو نہیں جو ناممکن ہو، بلکہ جس کا علمِ فتویٰ سے تعلق ہے اس کے لئے بدیہی کی طرح ہے۔

امرِ اوّل یہ ہے کہ: "اسے قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کیا جائے"۔

اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ جو بات قرآنِ عظیم کی مفسَّر محکم آیت، یا حدیثِ متواتر محکم مفسَّر سے ثابت ہو، وہ قطعی ہے، مثلاً: وراثت میں اصحابِ ذوی الفروض کے حِصص جو قرآن کی قطعی آیات سے ثابت ہیں، مگر عوام میں مشہور نہیں۔

امرِ ثانی یہ ہے کہ: "اس مسئلہ کا منکر کے نزدیک بدیہی ہونا ثابت کیا جائے"۔

اگر کوئی شخص علم نہ ہونے کے باعث اس کا انکار کرتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، لیکن اگر اسے بتا دیا جائے تو یہ قرآن سے ثابت ہے، تو بدیہی ہو جائے گا، اب اس کا انکار بدیہی کا انکار ہے؛ کہ قرآن کے تمام اَحکام یقینی ہیں، اب اس کے انکار کے تحقق کا مسئلہ ہے، تو وہ بھی کوئی مشکل بات نہیں، اگر وہ اقرار کرتا ہے تو اس پر تکفیر کا حکم لاگو ہوگا۔

امرِ ثالث یہ ہے کہ: "انکارِ حقیقی کا تحقق بھی دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کیا جائے"۔

اس کا جواب گزشتہ صفحات میں ہو گزر چکا ہے، اور یہ طریقہ امتِ مرحومہ کا چودہ سو سال سے رہا، مثلاً: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امِ قرفہ الفزاریہ عورت کو اس کے دعویٔ نبوّت کے سبب قتل کرنا ["سنن البيهقي"، ٨/ ٢٠٤، و"سنن الدارقطني"، رقم الحديث: ٣١٧٧، ٣/ ١٣٧]، سیّدنا عمر فاروق کا ایک ظاہری مسلمان کو قتل کرنا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرانا چاہا ["تاريخ الخلفاء"، صـ١٢٤]، اسی طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو قتل کرنا جو نماز میں اکثر "سورۂ عبس" پڑھا کرتا تھا["روح البيان"، ١٠/ ٣٣١، "ضياء القرآن"، ٥/ ٤٩٠]، اسی طرح سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ کا ان لوگوں کو قتل کرنا جنہوں نے آپ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھا، وغیرہا دیگر واقعات یہی ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے نزدیک بھی اس شخص کا کفر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا تھا جس کے بارے میں قرآن وحدیث کی کوئی نص وارد نہیں ہوتی تھی، ہاں البتہ ممکن ہے کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس

شخص کے قتل کے بارے میں شبہ پیدا ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے انکار کیا تھا؛ کیونکہ اس روایت میں یہ بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کے بعد ارشاد فرمایا: «ما كنتُ أظنُّ أن يجترئَ عمرُ على قتلِ مؤمنٍ، فأنزل اللهُ: ﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُون﴾... الآية [النساء: ٦٥]، فأهدَر دمَ الرّجلِ، وبَرِئَ عمر من قتله»، یعنی "میرا گمان نہیں تھا کہ عمر کسی مسلمان کے قتل کی جرأت کر سکتے ہیں"، تو اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ: ﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُون﴾ نازل فرمائی، چنانچہ اللہ کے حکم سے اس آدمی کا خون رائیگاں ہوا، اور حضرت عمر اس کے قتل سے بَری ہو گئے ["تاريخ الخلفاء"، صـ١٢٤ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی]۔

حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو اس کے ظاہری کلمہ کی وجہ سے مؤمن قرار دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے نفاق کو جانتے تھے، مگر اس وقت تک یہی حکم تھا کہ ایسے منافق کو ابھی ظاہر نہ کیا جائے؛ کیونکہ یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، جیسا کہ دوسری حدیث شریف سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، امام مالک نے "قصر الصلاۃ" میں، امام احمد نے "مسند" میں، امام شافعی نے "الام" میں اور بیہقی نے "المرتد" میں روایت کی: "أنّ رجلاً سار رسولَ الله ﷺ فلم يدرِ ما سارَه حتّى جَهَرَ رسولُ الله ﷺ، فإذا هو يستأذنه في قتل رجلٍ من المنافقين، فقال رسولُ الله ﷺ: «أ ليس يشهد أن لاَ إلهَ إلاّ الله؟!» قال: بلى، ولا شهادةَ له، قال: «أ ليس يصلّي؟!» قال: بلى، ولا صلاةَ له، فقال رسولُ الله ﷺ: «أولئك الذين نهاني اللهُ عنهم».

("كتاب حكم المرتدين"، صـ٤٠، ٤١).

ترجمہ: "ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سرگوشی کی، معلوم نہیں ہوا کہ اس نے کیا سرگوشی کی، حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے جہراً گفتگو فرمائی تو معلوم ہوا کہ وہ منافقین میں

سے کسی کے قتل کی اجازت طلب کر رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا وہ لاالہ الاّ اللہ کی گواہی نہیں دیتا؟!" اس نے عرض کی: ہاں کیوں نہیں، مگر اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟!" اس نے عرض کی: ہاں کیوں نہیں، مگر اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن کی (تکفیر) کے بارے میں (اس وقت تک) اللہ نے مجھے منع فرمایا ہے"۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ اس وقت تک اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو منع فرمایا ہوا تھا، اسی لئے آپ نے اس کے ظاہر کی وجہ سے اسے مؤمن شمار کیا، لیکن جب اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اجازت عطا فرمائی تو آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر انہیں مسجد شریف سے نکال باہر کیا، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کے کفر کی علامت ظاہر ہو گئی تھی، اس لئے آپ نے نہ تو قرآنِ کریم کی کسی محکم ومفسَّر آیت کو دیکھا، نہ ہی حدیثِ متواتر دیکھی اور نہ ہی صحابہ کا اِجماعِ قطعی، بس ظاہری یقینی علامت کی بنیاد پر اس منافق کو قتل کر دیا، اور یہ مقامِ بیان تھا ورنہ خود رسول اللہ ﷺ ساری امّت کے لئے تکفیرِ شخصی کے ثبوت کے لئے وہی شرط بیان فرما دیتے جو آپ موصوف بیان کر رہے ہیں۔

اسی طرح علمائے متکلمین کا بھی اِجماع ہے کہ: "جو ضروریاتِ دین کا منکر ہو وہ کافر ہے"، اختلاف تو غیر ضروری کے منکر کی تکفیر میں ہے، جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ليس بكافرٍ ما لم يخالف ما هو من ضروريات الدّين، كحدوث العالَم، وحشر الأجساد". ("المقاصد"، ٥/ ٢٢٧).

ترجمہ: "کوئی اُس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک ضروریاتِ دینی کی مخالفت نہ کرے، جیسے عالم کا حادث ہونا، اور حشرِ اَجساد"۔

پھر اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "ومعناه أنّ الذين اتّفقوا على ما هو من ضروريات الإسلام كحدوث العالَم، وحشر الأجساد، وما أشبه ذلك، واختلفوا في أصولٍ سِواها، كمسألةِ الصّفات، وخلقِ الأعمال، وعمومِ الإرادة، وقِدمِ الكلام، وجوازِ الرؤية، ونحو ذلك مما لا نزاعَ فيه، أنّ الحقّ فيها واحدٌ، هل يكفر المخالفُ للحقّ بذلك الاعتقاد وبالقول به أم لا؟، وإلاّ فلا نزاعَ في كفرِ أهلِ القبلة، المواظبِ طولَ العمر على الطاعات باعتقاد قِدم العالَم، ونفيِ الحشر، ونفيِ العلم بالجزئيات، ونحو ذلك، وكذا بصدور شيءٍ من موجِبات الكفر عنه". ("شرح المقاصد"، ٥/٢٢٨).

ترجمہ: "اس کے معنی یہ ہیں کہ جو متفق ہوئے ان باتوں پر جو ضروریاتِ دین سے ہوں، مثلاً: حدوثِ عالم، حشرِ اَجساد اور اسی کے مثل عقائد، ان کے علاوہ دیگر اصولوں میں اختلاف ہوا، جیسے صفاتِ باری تعالی، خلقِ اعمال، عمومِ ارادہ الہیہ، کلام کے قدیم ہونے، جوازِ رؤیتِ باری تعالی اور ان کے مثل دیگر عقائد، جن میں اس بات پر تو کوئی نزاع نہیں کہ حق ایک ہے، کیا ان (غیر ضروریاتِ دینی کا) مخالف اور اعتقاد رکھنے والا کافر ہوگا یا نہیں؟، وگرنہ اس اہلِ قبلہ اور ساری زندگی عبادت واطاعت میں گزارنے والے کے کفر میں کوئی نزاع نہیں جو قدمِ عالم کا قائل اور حشرِ اَجساد، علم بالجزئیات اور اس کے مثل دیگر (ضروری عقائد) کی نفی کرنے والا ہو، اسی طرح اس اہلِ قبلہ اور ساری زندگی عابد ومطیع رہنے والے سے موجِباتِ کفر میں سے کچھ صادر ہونے کی صورت میں بھی اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

اسی طرح فقہائے امّت بھی اس بات پر مجتمع ہیں کہ جو ظاہراً بلا اِکراہ وسبقتِ لسانی ایسا کلمہ کہے یا کام کرے جس میں ضروریاتِ دینی کا انکار پایا جاتا ہو، تو وہ کافر ہے، اور ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک قائل کے اقرار یا گواہوں سے قطعاً ثابت ہو جاتا ہے، تبھی انہوں نے یہ اَحکام اپنی کتب میں لکھے ہیں، اس کے برعکس اگر فقہاء بھی اسی بات کے قائل ہوتے جن کے آپ ہیں، تو پھر کیا وہ بے وقوف تھے کہ

انہوں نے اپنی کتب کے کئی کئی صفحات اسی بحث سے بھر دیئے!، ظاہر ہے کہ جب ایک مسئلہ پر عمل ہی ممکن نہیں تو اس کے لکھنے کا فائدہ کیا؟! نیز ہمارے اور آپ کے معتمد فقہاء مثلاً: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تکفیرِ شخصی پر باقاعدہ کتابی صورت میں "حسام الحرمین" نامی فتوی چھاپا اور اس پر عرب و عجم کے علماء نے تصدیقات کیں، اور باقاعدہ لکھا کہ: "مَن شَكّ في كفرِه وعذابِه فقد كفر"، اب صحابہ کِرام سے لے کر آج تک ساری امّت تو اسی بات کی قائل ہے کہ شخصی کفر کے ثبوت کے لئے قرآن کی محکم و مفسَّر آیت، یا حدیثِ متواتر قطعی الدلالہ، یا اِجماعِ صحابہ قطعی الدلالہ واضحۃ الاِفادات کی ضرورت نہیں، بلکہ ظاہر میں جو بھی عند الشرع معتبر یقین حاصل کرنے کے ذرائع ہیں، ان سے قطعیت حاصل ہو جائے گی، واللہ يهدي مَن يشاء إلى سبيل الرَّشاد.

پھر مولانا صاحب نے ثانیاً اور ثالثاً کہہ کر جو بات لکھی ہے وہ کوئی ایسی مشکل و اہم بات تو نہیں جس کا جواب لکھا جائے، بلکہ خود مولانا صاحب بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ زیبِ داستاں کے لئے ہے، ہاں البتہ ثانیاً میں پانچویں امر کی وضاحت کر دوں، مولانا لکھتے ہیں:

"۵- جس مسئلہ کے انکار پر تکفیر کی جائے اس کو دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت کرنے کے بعد یہ بھی دلیلِ قطعی سے ثابت کیا جائے کہ واقعی یہ مسئلہ قطعیہ ایسا ہے جس کو تمام علماء اور ان کی صحبت یافتہ عوام جانتے ہیں؟؛ کیونکہ اگر بعض علماء یا ان کی صحبت یافتہ عوام اسے نہ جانتی ہو تو وہ ضرورتِ دینی نہیں بنے گا"۔

جواب

مولانا صاحب! بڑی عجیب بات لکھی ہے آپ نے! کہ اب یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ اس مسئلے کو تمام علماء و عوام جانتے ہوں، اور وہ بھی ایسی ویسی دلیل سے نہیں، بلکہ دلیلِ قطعی سے، جو آپ کے نزدیک صرف و صرف قرآن کی محکم و مفسَّر آیت، یا حدیثِ متواتر قطعی الدلالہ، یا اِجماعِ

صحابہ قطعی الدلالہ واضحۃ الِافادہ ہے، جناب اگر آپ یہ بات شروع ہی میں لکھ دیتے تو بلاوجہ اتنا ٹائم صرف نہ کرنا پڑتا، اور پھر آپ سے اسلام وکفر کے دلائل کے بارے میں گفتگو ہوتی۔

مولانا صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا لکھ مارا ہے؟، اگر آپ کی اسی بات کو لیا جائے تو پھر کوئی ضرورتِ دینی، ضرورتِ دینی نہیں رہے گی؛ کیونکہ قرآن وحدیث واِجماعِ صحابہ کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ ساری دنیا کے علماء اور ان کی صحبت میں رہنے والے لوگ فلاں فلاں بات کو جانتے ہیں، لہذا آپ کی اس خود ساختہ منطق کا نتیجہ یہ نکلا کہ گویا چودہ سو سال سے لے کر آج تک کسی ضرورتِ دینی کا تحقق ہوا ہی نہیں...!، اگر کسی بات پر ہوا ہو تو آپ خود بتا دیں کہ کہاں قرآن وحدیث یا اِجماعِ صحابہ سے ثابت ہے کہ: فلاں فلاں بات کو سب مسلمان ضرورتِ دینی جانتے ہیں؟، لگتا ہے کہ یہ بھی زیبِ داستاں کے لئے ہے...!، مگر مولانا صاحب! اس کا نتیجہ بہت سنگین وبھیانک ہے؛ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام ایک ایسا دِین ہے جس میں نہ کسی بات کو ماننا ضروری ہے، اور نہ ہی کسی بات کا انکار کرنا ضروری ہے، والعیاذ باللہ...!۔

پھر "رابعا" میں مولانا صاحب نے ایک تشکیک پیدا کی اور لکھا کہ:

رابعا: اگر بالفرض کسی ضابطۂ تکفیر کو قطعی مان لیا جائے تو اس صورت میں وہ ضابطہ ایک قاعدہ کلیہ ہونے کی وجہ سے عام ہوگا، جس سے بعض اَفراد کی تخصیص تو متفَق علیہ اور قطعی ہوگی، جیسے مکرَہ کی تخصیص، اور بعض اَفراد کی تخصیص امام اعظم، امام محمد، امام اَشعری رضی اللہ تعالی عنہم اور ان کے متبعین کے مذہب پر ہوگی، جیسے جاہل کی تخصیص، اور مزید بعض دیگر اَفراد کی تخصیص دلیلِ تخصیص کے پائے جانے کی بنا پر ممکن رہے گی، لہذا قطعی طور پر یہ عام مخصوص منہ البعض ہوگا، اور کتبِ اصول فقہ میں عام کی بحث سے یہ واضح ہے کہ اگر کسی عام قطعی میں تخصیص کرلی جائے تو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ عام ظنّی ہو جاتا ہے، جبکہ امام کَرخی اور عیسی بن اَبان کے نزدیک وہ عام سرے سے اصلاً حجت ہی نہیں رہتا۔

جواب

مولانا صاحب! جو اعتراض آپ نے لکھا ہے وہ ایسا ایک اعتراض ہے جو "فواتح الرَّحموت" پڑھانے والا استاذ تو کُجا "فواتح الرحموت" پڑھنے والا طالبِ علم بھی نہیں کرے گا، حنفیہ کے نزدیک عام مخصوص منہ البعض اسی صورت میں ظنّی ہوتا ہے جب مخصِّص مستقل ہو، اور اگر مخصِّص مستقل نہ ہو تو اس کی قطعیت پر کوئی فرق نہیں آتا، دیکھئے علامہ عبد العلی کیا فرما رہے ہیں:

"ثمّ في التمثيل بكلمة التوحيدِ إشارةٌ إلى أنّه اختار الظنّيّةَ في الكلّ من العوام المخصوصة، سواءٌ كان مخصِّصُه مستقلاً أم لا، على خلاف رأي الحنفية؛ فإنّهم إنّما يقولون بالظنّية في المخصوص بالكلام المستقل فقط". ("فواتح الرحموت"، ١/ ٣٠٩).

ترجمہ: "پھر کلمۂ توحید کی مثال دینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے ہر قسم کے عام مخصوص میں ظنّیت کو اختیار کیا ہے، خواہ اس کا مخصِّص مستقل ہو یا نہ ہو، بخلاف حنفیہ کی رائے کے؛ کیونکہ حنفیہ تو اسی عام کو ظنّی کہتے ہیں جس کا مخصِّص مستقل کلام ہو"۔

مولانا صاحب! جب ہم کسی ضابطۂ تکفیر کو مان لیں گے تو ظاہر ہے کہ اس کی جامع ومانع تعریف کی جائے گی، اور اس کے مخصِّص بھی اسی تعریف میں بیان کر دیئے جائیں گے، جب مخصِّص بھی اسی جامع ومانع تعریف میں بیان کر دیئے جائیں گے تو وہ مخصِّص مستقل کلام نہیں ہو گا، لہذا وہ ضابطہ حنفیہ کے نزدیک قطعی رہے گا، واللهُ يهدي مَن يشاء إلى سبيل الرَّشاد.

پھر مولانا صاحب خامساً میں لکھتے ہیں:

خامساً: اگر بالفرض مذکورہ بالاُمور سے قطعِ نظر کرتے ہوئے پیچھے گزرے ہوئے ضابطوں میں سے کسی قطعی ضابطۂ تکفیر کو مان لیا جائے تو پھر بھی اس کے ذریعہ سے شخصِ مذکور کو ایسا قطعی کافر قرار نہیں دے سکتے جس کے کافر ہونے میں شک کرنے والا یا انکار کرنے والا بھی کافر ہو سکے؛ کیونکہ یہ بات اہلِ علم کے نزدیک اَظہر من الشمس ہے کہ قطعی ضابطہ کی بنا پر جب کسی شخصِ معیّن پر

حکم لگایا جاتا ہے تو یہ حکم شخصی قطعی نہیں ہوتا، مثلاً: اگر صغریٰ یہ ہو کہ: "فلاں شخص ضروریاتِ دین کا منکر ہے"، اور کبریٰ یہ ہو کہ: "ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے"، تو اس شکلِ اوّل سے نتیجہ یہ حاصل ہو گا کہ: "فلاں شخص کافر ہے"، اور اہلِ علم پر روشن ہے کہ یہاں کبریٰ اگرچہ ضابطۂ قطعی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعی ہے، لیکن صغریٰ مفتی کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظنّی ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ کسی مسئلۂ دِینیہ کا بھی منکر نہ ہو، یا منکر تو ہو لیکن ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو، لیکن مفتی نے اپنی دانست میں منکر سمجھنے کی وجہ سے خطا کی ہو، اسی طرح اگر صغریٰ یہ بنایا جائے کہ: "فلاں شخص چور ہے" اور کبریٰ یہ بنایا جائے کہ: "چور کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے"، تو اس سے نتیجہ یہ حاصل ہو گا کہ: "فلاں شخص کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے"، اور پہلی مثال کی طرح یہاں بھی کبریٰ اگرچہ قطعی ہے، لیکن صغریٰ قاضی کے اجتہاد پر مبنی ہونے کی وجہ سے ظنّی ہے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ واقع میں سرے سے وہ چور ہی نہ ہو اور گواہوں نے جھوٹی گواہی دے دی ہو، یا چور تو ہو لیکن ایسا چور نہ ہو جس کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے، پس معلوم ہوا کہ کسی فعل کا شرعی حکم اور کسی جرم کی سزا تو دلیلِ قطعی سے ثابت ہونے کی بنا پر قطعی ہو سکتے ہیں، لیکن مفتی اور قاضی نے جس شخصِ معیّن کے حق میں وہ شرعی حکم اور سزا بیان کی ہے یہ ہرگز قطعی نہیں؛ کیونکہ فردِ معیّن کا اس حکم اور سزا کا مستحق قرار پانا دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں؛ بلکہ صرف مفتی اور قاضی کے فتویٰ و فیصلہ سے ثابت ہے، اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ مفتی اور قاضی کا فیصلہ کسی طرح سے بھی دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین نہیں بن سکتا، بلفظ دیگر مفتی اور قاضی کا یہ فیصلہ کسی طرح سے بھی قطعی الدلالہ آیت، یا قطعی الدلالہ حدیثِ متواتر، یا قطعی الدلالہ اجماعِ قطعی للصحابۃ کے برابر نہیں ہو سکتا، لہذا مفتی و قاضی کے فتوی و فیصلہ کو ضرورتِ دینی قرار دینا دراصل اس فتوی و فیصلہ کو یقین کے ساتھ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کرنا ہے، جو کہ ہرگز جائز نہیں، نیز یہ بات بھی طے شدہ اور مسلّمہ ہے کہ ایک مفتی و قاضی کے فتوی

وفیصلہ کو دوسرے مفتی و قاضی کے لیے ماننا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر دوسرے کے نزدیک دلائل کی رُو سے یہ فتوی و فیصلہ خطا پر مبنی ہو تو اس صورت میں اس پر اس کا انکار لازم ہے۔

جواب

مولانا صاحب نے اس عبارت میں دو باتوں کو بیان کیا ہے:

(۱) صغریٰ ظنّی ہے، اس لئے نتیجہ بھی ظنّی نکلے گا۔

(۲) ایک مفتی یا قاضی کا فتوی یا فیصلہ دوسرے مفتی یا قاضی کے لئے ماننا ضروری نہیں۔

اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ مولانا آخر تک صغریٰ کے فریب میں مبتلا رہے ہیں، اس کے فریب کا اظہار وعلاج ہم نے ابتداء میں بیان کر دیا ہے، لہذا اسے وہیں سے دیکھ لیا جائے۔

دوسرے نکتے میں یہ بات ٹھیک ہے کہ ایک مفتی یا قاضی کا فتوی یا فیصلہ دوسرے مفتی یا قاضی کے لئے حجت نہیں، اور نہ یہ اہلِ سنّت کا ادّعاء ہے کہ: فلاں فلاں عالم کا فتوی ماننا لازم ہے، بلکہ دلائلِ صحیحہ کی بنیاد پر ایک مفتی دوسرے مفتی سے اختلاف بھی کر سکتا ہے، بلکہ یہ اس کا شرعی حق ہے، ہاں البتہ "حُسام الحرمین شریف" کے بارے میں لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ جو اسے نہ مانے وہ کافر ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس فتوی کو ماننا ضروری ہے، لیکن نفس الامر میں یہ مراد نہیں ہوتی؛ کیونکہ خود امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہیں کہ جو "حُسام الحرمین" کو نہ مانے وہ کافر ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ: "حسام الحرمیں" میں جن جن لوگوں پر حکمِ کفر عائد کیا گیا ہے، اُن کے کفریات پر مطلع ہو کر بھی جو اُنہیں کافر نہ جانے وہ کافر ہے، اور یہ بات ہم نے گزشتہ صفحات میں کئی معتمد علماء کے حوالے سے بیان کر دی ہے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو ان کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔

("الفتاوى الرضوية"، ١٤/ ٤٠٢).

لہذا ظاہر ہوا کہ تکفیر کا مدار مفتی کا فتویٰ نہیں، بلکہ علم وآگاہی ہے، یعنی جو اکابرِ دیابنہ، یا قادیانیہ، یا ان کی مثل دیگر لوگوں کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود اُن لوگوں کی تکفیر نہ کرے وہ خود بھی کافر ہے، چنانچہ اِس سے کہیں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان لوگوں کی تکفیر میں فلاں کا فتویٰ ماننا ضروری ہے، تو ظاہر ہوا کہ آپ کو حقیقتِ حال سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی، اور آپ کا یہ اِشکال باطل پر مبنی ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

پھر مولانا صاحب نے "سادساً" کہہ کر وہی بات دُہرا دی جو سوال نمبر ۸ میں لکھ چکے ہیں، لہذا اس کا جواب وہیں سے دیکھ لیا جائے۔

پھر مولانا صاحب نے "سابعا" میں حسبِ سابق طویل تقریر کی، یہاں پر ہم اسے دو حصوں میں لکھ کر ایک ایک کا جواب لکھتے ہیں: مولانا صاحب کی عبارت کا پہلا حصہ:

"**سابعا:** اگر کسی کو کافر قرار دینے کا کوئی قطعی ضابطہ ہے تو پھر ضرور کسی کو مسلمان قرار دینے کا بھی کوئی قطعی ضابطہ ہوگا، اگر کسی ضرورتِ دینی کا انکار کرنے والا قطعی کافر ہے، تو تمام ضروریاتِ دین کو ماننے والا قطعی مسلمان ہوگا، اگر کسی کا کلام معنیٔ کفر میں صریح متعین ہو تو وہ قطعی کافر ہے، تو پھر اگر کسی کا کلام معنیٰٔ اسلام میں متعیّن ہو تو وہ قطعی مسلمان ہوگا، اگر ضابطہ کی رُو سے کسی کو کافر ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، تو پھر ضابطہ کی رُو سے کسی کو مسلمان ماننا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہوگا، لیکن آج تک ہم نے نہیں سنا کہ موجودہ دَور کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں میں سے کسی ایک مسلمان کے بارے میں علمائے اہلِ سنّت نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ: "فلاں شخص کو مسلمان ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور اگر کوئی اس کے مسلمان ہونے میں شک کرے تو وہ کافر و مرتد ہے"، حالانکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا"۔

جواب

بلاشبہ جو شخص تمام ضروریاتِ دینی پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے، اور جو ضروریاتِ دینی میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے، لیکن آپ کا تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا کہ: "لیکن آج تک ہم نے نہیں سنا کہ موجودہ دَور کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں میں سے کسی ایک مسلمان کے بارے میں علمائے اہلِ سنّت نے یہ فتوی دیا ہو کہ: فلاں شخص کو مسلمان ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور اگر کوئی اس کے مسلمان ہونے میں شک کرے تو وہ کافر و مرتد ہے" سَراسَر غلط بلکہ آپ کے نسیان پر مبنی ہے، آپ نے اپنے سوالات کی ابتداء ہی میں "بہارِ شریعت" کی جس عبارت کارَد کیا، وہی تو سب مسلمانوں کے اسلام کو اور تمام کفّار کے کفر کو ضرورتِ دینی قرار دے رہی ہے، مگر آپ تو صغریٰ کے چکر میں ایسے اُلجھے کہ صدر الشریعہ کی اس عبارت کو خاطر ہی میں نہیں لائے، لہذا جو مسلمان بھی اپنے اسلام کا اعلان کرے اور اس کے اسلام سے پھرنے پر کوئی قرینہ صارفہ بھی نہ ہو، یعنی اس نے التزامِ کفر بھی نہ کیا ہو، تو جو بھی بلاتاویل اسے غیر مسلم قرار دے وہ ضرور کافر ہے۔

پھر مولانا صاحب کی عبارت کا دوسرا حصہ لکھا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

"پس اگر اس وقت دنیا میں قطعی کافر تو کثیر ہوں اور قطعی مسلمان ایک بھی نہ ہو، تو یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی، کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ اس دَور میں جن مفتیانِ کِرام اور مُناظرانِ اسلام کے فتوئ تکفیر کو ماننا فرض اور ضروریاتِ دین میں سے ہو، ان کو مسلمان ماننا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہو؛ تاکہ جس طرح ان کے فتوئ تکفیر میں شک کرنے والا کافر ہے، اسی طرح ان کے مسلمان ہونے میں شک کرنے والا بھی کافر ہو، مگر یہ بات کسی طرح بھی ممکن نہیں؛ کیونکہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃاللہ علیہ نے "فتاوی رضویہ" جلد ٦، صفحہ ١٤٧ پر نقل کیا کہ: "کسی مسلمان کو کافر کہنے والا متکلمین کے نزدیک بالاِجماع کافر نہیں ہے"، اھ۔

جس سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کلمہ گو مسلمان سے کسی تاویل وشبہ (اگرچہ باطل وفاسد ہو) کی بناپر ظاہراً کوئی کلمۂ کفر سرزد ہو تو اس کو مسلمان کہنے والا بھی عند المتکلمین بالاِجماع کافر نہیں ہے۔ اب عرض یہ ہے مذکورہ بالا تفصیل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمائیں کہ کیا تکفیر کا کوئی ایسا قطعی ضابطہ ہے جس کی بناپر شخصِ مذکور کے کافر ہونے کو ضرورتِ دینی قرار دیا جائے؟،اور جو اس کو نہ مانے اس کو بھی کافر کہا جائے یا کہ نہیں؟، اگر ہے تو اس صورت میں مذکورہ بالا باتوں کا جواب دیتے ہوئے اس ضابطہ کو دلیلِ قطعی معتبر فی اصول الدین سے ثابت فرمائیں"۔

جواب

اس عبارت کی ابتداء میں مفتی کے اسلام کے حوالے سے استفسار کیا گیا ہے کہ: اس کا ایمان واسلام بھی ضروریاتِ دینی میں سے ہے یا نہیں؟، تو اس کا جواب ہو چکا کہ: "مسلمان کو مسلمان ماننا ضروریاتِ دین سے ہے"، لہذا اگر کوئی کسی مفتی کو بھی بلاتاویل کافر کہے وہ کافر ہے، لیکن مولانا نے خط کشیدہ الفاظ میں جو بات کہی وہ بڑی حیرت انگیز ہے،اور مجھے مولانا فیضِ رسول صاحب جیسے عالمِ دین سے اس کی ہرگز توقع نہیں تھی، یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو علمائے متکلمین اور فقہاء کے تکفیر کے موقف سے آگاہی نہ رکھتا ہو، جبکہ اس کے برعکس مولانا صاحب نے عقائد کی مشہور کتب نہ صرف پڑھی بلکہ پڑھائی بھی ہیں!۔

مولانا صاحب! بات صرف اتنی سی ہے کہ علمائے متکلمین مسلمان کو کافر کہنے والے کی تکفیر اس لئے نہیں کرتے کہ بعض احادیث میں آیا کہ: "ایسا شخص کفر کے نزدیک ہو جاتا ہے"، اور متکلمین نے انہی احادیث کو مذہب بنایا،اور مسلمان کو کافر کہنے والے کی تکفیر نہیں کی، جبکہ اس کے برعکس کافر کو مسلمان کہنے والے کی تکفیر میں کوئی حدیثِ مؤوَّل نہیں،اس لئے متکلمین کے نزدیک کافر کے کفر کو جاننے کے باوجود مسلمان ماننے والا شخص کافر ہو جائے گا،بس اتنی سی

بات ہے، ہاں اگر کوئی حدیث شریف نہیں تو کسی معتمد علیہ فقیہ کا قول بھی آپ کے موقف کی حمایت کرتا ہو تو پیش کر دیں۔